لسماحة السید حسن نصر اللہ علیہ الرحمۃ

صحراء المحشر

{ نور ایمان و عمل صالح }

مترجم:
سید افتخار حسین نقوی النجفی
(رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

ناشر:
دار المودۃ (بیروت، لبنان)

پیشکش: منتہائے نور مرکز تحقیقات، اسلام آباد پاکستان

فہرست

ابتدائیہ 7
شہیدسید حسن نصراللہ بن سیدعبدالکریم حسینی........................ 10
تقریر کا شوق 11
شہیدسیدحسن نصراللہؒ کے مختصرحالات زندگی 17
آقائی خامنہ ای کاسیدکے بارے میں بیان................................ 19
نام :سید حسن نصراللہ بن سیدعبدالکریم 20
مقدمہ.. 23
مترجم کی بات 24
تمہید 25
ابتدائیہ 25
موت اور آخرت کے عالم کے ذکر میں.................................. 25
موت کی حقیقت اور اس کے پیچیدہ سوالات 26
رُوح کے بارے.. 29
جہانِ آخرت سے متعلق معرفت کے لوازم............................ 31
موت کے بعد کی زندگی کے وجود پر دلائل 34
باب اوّل:قبر اور برزخ.. 40
آخرت کی منازل میں پہلی منازل.................................. 40
حیات اور آخرت.. 41
برزخ کے بعد کا مرحلہ 42
عالم برزخ کی موجودگی پر استدلال.................................. 43

عالم برزخ کے مراحل بارے تفصیل 45
عالم برزخ میں مخلوقات کی اقسام................................. 52
عالم برزخ میں عذاب جھیلنے والے 53
آیت سے چند مسائل سمجھے جا سکتے ہیں............................ 56
دُوسرا گروہ:.. 58
عالم برزخ میں شہداء کے حالات بارے 58
تیسرے گروہ کے بارے 60
اپنے لیے اور مومنین کیلئے نصیحت اور مواعظ 62
برزخ کے بارے.. 63
اہل البیت علیہم السلام سے روایت 65
پہلی شق بارے 67
شفاعت کا مقام.. 67
لمبا سفر 68
باب دوم:اختتامی بحث 69
قیامت کبریٰ کے حالات اور اُس کی ہولناکیاں 69
مقدمہ: حقیقی معنی اور مجازی معنی کے استعمال........................ 69
حقیقت اور مجاز قرآن الکریم میں 72
قیامت کبریٰ کے اشارے اور وہاں کے واقعات.................... 73
قیامت کے دن موجودات کے حالات 77
اللہ کس طرح اِن سب کو موت دے گا؟....................... 78
قیامت میں کائنات کا منظر.................................... 82
محشر کا میدان اور محشر کا صحراء 83

ان قرآنی مشاہدہ سے ہم کیا سمجھتے ہیں؟............................ 83
نص قرآنی میں قیامت کے شواہد................................... 85
سارے مردوں کو زندہ کرنا 91
احتساب کیلئے اللہ کے سامنے پیش ہونا............................ 97
حساب لینے کا وقت... 97
انسان کے سامنے اعمال کی کتاب............................... 100
قیامت کے دن کا قاضی.. 101
سوال وجواب کی روشنی میں فیصلہ 102
فیصلہ کے بعد یا تھوڑا پہلے...................................... 102
شہداء کا معاملہ 103
اُس دن کیا چیز فائدہ دے گی؟ 105
عمل صالح کا معنی 105
شفاعت کا دروازہ 106
احتساب کے بعد شفاعت 108
اللہ کی رحمت کا دروازہ... 109
اللہ کی رحمت کی بشارت 109
شفاعت و رحمت کے دروازے 109
صراط اور صراط کا نتیجہ... 110
صراط سے گزرنا.. 110
کامیاب و ناکام 111
تحقیق کے مطلوبہ مقصد کیلئے بحث................................ 111
ہر انسان کا ہدف 113

آخرت کیلئے کام 115
جوان نسل کیلئے.. 115
واقعہ کربلاء اُخروی سعی و کوشش کا معیار ہے.................... 116
حق و باطل واضح ہے.. 117
کربلاء کا معرکہ 117

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب الشہداء والصدیقین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین ابی القاسم محمد مصطفٰے رسول رب العالمین شفیع المذنبین وآلہ الطاہرین الطیبین المعصومین لاسیما علی بقیۃ اللہ المھدی صاحب الزمان روح وارواح العالمین لمقدمہ فداہ واللعنۃ الدائمۃ علی اعدائھم اجمعین من الاولین والاخرین۔

تمام حمد اس ذات کی ہے جس نے اپنے بے انتہاء کرم سے ہدایت کی نعمت سے نوازا ہے اور دامن اسلام ہمارے لئے نصیب ہوا اور اس کی حمد ہے جو سبحان ہے کہ جس نے ہمیں اپنے خاصان کی پہچان کروائی ہے خاص کر اپنے حبیب مصطفٰی محمد ﷺ اور ان کی پاک آل اطہار کی معرفت اور ان کی ولایت کے نور سے بہرہ ور کیا ہے۔

اللہ کی نعمات کا شکر بجالانا ممکن نہیں کیونکہ ان نعمات کا شمار ہی نہیں کیا جاسکتا اور جو نعمات محسوس کی جاسکتی ہیں تو ان کی حقیقت کا ادراک بھی پوری طرح نہیں تو پھر کس طرح ان سب کا شکر بجالا سکتے ہیں اور نعمت کا شکر بجالانے کی توفیق بھی تو اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے تو اس نعمت کا بھی شکر بجالا ہو گا۔

لہٰذا یہ اعتراف کہ اے رب کریم تیری میرے اُوپر بے انتہاء نعمات ہیں جن کے بارے پوری طرح میں آگاہ ہی نہیں تو میں شکر کیسے بجا لاؤں، بس میری عاجزی اور کمزوری کے اعتراف کو ہی اپنی صفات میں درجہ مقبولیت عطاء فرما اور جو

مجھے توفیق دے رکھی ہے وہ مجھ کمزور اور ضعیف و ناتواں اور معصیت کار سے واپس نہ لے۔اپنے خاصان کے صدقہ میں جو توفیقات دے رکھی ہیں ان میں اضافہ فرما۔

اللہ کریم کی دی ہوئی توفیق سے مجھے یہ اعزاز نصیب ہوا کہ میں آزادی قدس کی مزاحمتی تحریکوں کے سیدوسردار، مجاہداعظم شہداء آزادی قدس کے سردار شہید سید حسن نصراللہ رحمۃاللہ اوران کے بھائی اور جہادی تحریک کے ساتھی اورآپ کے قائم مقام شہید سید صفی الدین سے ملاقاتیں نصیب ہوتی رہیں۔

ان سے بہت کچھ سیکھاانہوں نے ہمیشہ اپنی محبتوں سے نوازااوران کی دعائیں ہمیشہ ہماری تقویت کاسبب ہیں۔انہوں نےاپنی قیادت کے دوران حزب اللہ میں جوانوں کی نظریاتی تربیت کی اور راہ خدا میں شہادت تک جدوجہد کو جاری رکھنے پرآمادہ کیا۔انہوں نے اپنی بیس سالہ قیادت میں جوانوں کے لئے، مجاہدین کے لئےاور اپنے چاہنے والوں کے لئے جوتربیتی،اخلاقی دروس دیے۔انہیں تحریری شکل میں تیار کیا گیا۔اللہ کریم نے مجھے توفیق دی کہ ان کے بعض تربیتی دروس کا عربی سےاُردو میں ترجمہ کروں۔

ان دروس میں ’’صحرائے محشر‘‘ کے عنوان سے ایک انتہائی منفرد انداز سے اس اہم موضوع کو بیان کیا ہے۔میں نے کوشش کی ہے کہ اسے آسان زبان میں اورعام فہم الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا جائے جواستفادہ کے لئے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اس سے استفادہ کرنےوالوں سے درخواست ہے کہ وہ مجھے دعاؤں میں ضرور یادرکھیں کہ اللہ کریم میرے اُوپر، میری اولادپر، میرے خاندان پراپنا خصوصی کرم جاری رکھےاورجو میرے ساتھ مل کر تعلیم وتربیت، صحت وخدمتِ خلق کے حوالے سے کام کرہے ہیں اور میرے ذریعہ اتنے سارے اُمورانجام دینے کے لئے میرے مددگارہیں۔

اللہ کریم ہم سب کے رزق ومال میں اضافہ فرمائے، ہم سب کی مشکلات حل کرے اور ہمیں اپنے خصوصی فضل وکرم کا سایہ نصیب کرے۔

اللہ کریم سے دعاء ہے کہ اے رب غفور ورحیم اپنے کمزور بندگان پر اپنے ولی ، آخری حجت ،خاتم الاوصیاء ، منجی بشریت ومہدی اُمم کے ظہور کے اسباب کو جلد مکمل کردے تاکہ وہ تیری زمین میں، تیرے بندگان میں آکر تیری حکومت قائم کریں گے اور تیری زمین میں ظلم وستم اور ناانصافی کی بساط کو اُلٹ دے اور تیرے بندگان کے لئے خوشحالی کی نوید ہو اور تیرا پسندیدہ نظام تمام نظاموں پر غالب آجائے۔

حررہ

سید افتخار حسین نقوی، نجفی

۲۵فروری ۲۰۲۵ء

شہید سید حسن نصر اللہ بن سید عبدالکریم حسینی

والدہ: سید مہدیہ صفی الدین

پیدائش: بازوریہ، ضلع صور، جنوب لبنان

ولادت: اکتوبر 1960ء، پانچ بہنیں اور چار بھائی

- 1960ء سے پہلے والد صاحب مزدوری کے لئے بیروت آئے۔
- 1971تا1975 بیروت کے فسادات ہوئے تو واپس اپنے گاؤں میں آگئے۔
- پرائمری تعلیم بیروت میں حاصل کی اور پنجگانہ نماز سید فضل اللہ کی مسجد میں نماز باجمات پڑھتے تھے۔
- بچوں کا گروہ بنایا۔
- والد کی سبزی کی دکان تھی مڈل اور میٹرک کی تعلیم گاؤں میں مکمل کی سکول سے فراغت ہونے پر اپنے والد کی مدد کے لئے دکان پر وقت گزارتے۔
- والدہ کا چچا عمامہ پوش عالم تھا۔انہیں بچپن میں عمامہ پہننے کا بہت زیادہ شوق تھا۔اپنے گھٹنے پر کپڑا لپیٹ کر عمامہ بنانے اور اپنے سر پر رکھ لیتے، سید امام موسی صدر سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے ان کے عمامہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔
- بچپن میں قرآن پڑھا، جہنم کی آیات پڑھ کر گریہ کرنا اور رات کو جہنم کی آگ دیکھنا، ڈر کر اُٹھ بیٹھنا۔ان کے بچپنے کی یادیں ہیں۔

تقریر کا شوق

- آپ نے پہلی کتاب آٹھ نو سال کی عمر میں اخلاق وآداب سے متعلق احادیث کی مشہور کتاب "ارشادالقلوب" دوسری کتاب "امیرالمومنینؑ کے فیصلے" پڑھی آپ بار باران کتابوں کو پڑھتے تھے۔
- آپ نے پہلی تقریر 10 سال کی عمر میں کاغذ پر لکھی ہوئی سات منٹ میں مکمل کی۔
- پھر مرنے والے کے ایصال ثواب کے لئے منعقد ہونے والی ہر مجلس سوئم میں شریک ہوتے تھے۔
- نوجوان لڑکوں پر مشتمل تنظیم بنائی ،آپ نے شیعہ تنظیم "حزب امل" کی ذمہ داریوں کو بھی اپنے گاؤں میں لے رکھا تھا۔
- 1976ء میں اکیلے نجف اشرف چلے گئے۔ نجف میں ایک شخص علی کریم واقف بن گیا۔اس نے انہیں شہید علامہ سید عباس موسوی سے ملوایا اور شہید عباس موسوی آپ کو شہید محمد باقر صدر کے پاس لے گئے ان دنوں شہید صدر سے ملنا خطرہ سے خالی نہ تھا شہید صدر نے آپ سے بہت محبت کی۔انہوں نے لبنان کے بارے سوالات کئے میں نے وہاں کے حالات بتائے انہوں نے میرے لئے عباء قباء خریدنے اور دوسری ضروریات کے لئے سید عباس موسوی کو پیسے دیے اوران کے ذمہ لگایا کہ وہ میرا خاص خیال رکھیں۔اس طرح لبنان سے نجف اشرف میں آنے کے بعد میرے لئے یہ انتہائی خوشی کی بات تھی کہ میرے لئے عباء وقباء کاانتظام ہو گیا اور مجھے ایک سید کی سرپرستی میں دے دیا گیا۔

- 1976 سے 1979 کے آخر تک نجف اشرف میں رہے۔
- 1979 پیدل اربعین کی زیارت کے لئے گئے اسی سال صدام کے حکم پر کربلاء میں زائرین کا قتل عام ہوا۔ واپسی پر استخارہ کر کے نجف اشرف سے واپس لبنان آگئے۔ چند علماء کی طرف سے بعلبک میں دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ شہید سید عباس موسوی نے معروف عالم دین آقائی شمس الدین سے مشورہ کر کے مدرسہ بنایا جو دو کمروں پر مشتمل تھا اس مدرسہ میں ہم دن رات پڑھتے تھے ان دنوں چھٹی کا تصور نہ تھا۔
- پندرہ سال کی عمر میں کالج کے اسٹوڈنٹ تھے شیعہ جماعت ''امل'' کی ذمہ داری ڈیڑھ سال تک اپنے گاؤں میں سنبھالے رکھی۔
- جنگ چھڑ چکی تھی اسی دوران مصطفیٰ چمران سے واقفیت پر دوستی ہوگئی بیروت خانہ جنگی کے دوران کئی کئی دن گھر پر رہتے اسی دوران علامہ سید عبداللہ شبر کی تفسیر قرآن کا مطالعہ کیا بہت ساری اور کتابیں بھی پڑھیں امل ایک اسلامی تنظیم نہ تھی۔ یہ ایک قومی وملی جماعت تھی جو لبنان میں شیعوں کے حقوق کے لئے جماعت بنائی گئی تھی۔
- گیارہ سال میں پرائمری سکول سے فارغ ہوئے اور ڈل بیروت میں ایک اور جگہ پڑھے علامہ سید فضل اللہ کی مسجد کے قریب مومن جوانوں سے آشنائی ہوئی بچپن میں نماز تہجد پڑھنا، جماعت میں شریک ہونا آپ کا وتیرہ تھا۔
- آپ کے گاؤں میں ایک عالم علی شمس الدین تھے وہ تقریر نہیں کر سکتے تھے، آپ نے پہلی دفعہ ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تقریر سات منٹ میں

مکمل کی۔ مجلس سوئم میں پہلی مرتبہ چودہ سال کی عمر میں تقریر کی پھر یہ سلسلہ چل نکلا، دوسری تقریر ایک دو ہفتہ بعد کی جو بیس منٹ کی تھی۔

❖ دینی طالب علم بننے کا شوق، عمامہ سے محبت، کپڑے کو لپیٹ کر عمامہ بنانا، سید محمد غروی سے واقفیت،جب آپ لبنان سے جارہے تھےتو اسی سید غروی نے آپ کو شہید محمد باقر صدر، شہید سید محمد باقر الحکیم اور سید محمود ہاشمی کے نام خطوط دیے،وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میرے نانا بھی عالم دین تھے لیکن انہوں نے غربت کی وجہ سے عمامہ اُتار دیا،اور گھریلواخراجات کے لئے محنت مزدوری کرتے،وہ فرماتے ہیں میری ماں نے مجھ سے کہا کہ عالم بنو گے تو ہمارے گھر میں ایک اور فقیر کا اضافہ ہو گا۔

❖ 15دسمبر 1976 میں آپ کی عمر ساڑھے پندرہ سال تھی۔جب آپ نجف اشرف تشریف لے آئے۔

❖ آپ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نجف پہنچا تو میں آکیلا ہی آرہا تھاالبتہ شیخ علی کریم سے واقف تھا وہ مجھے شہید علامہ سید عباس موسوی کے پاس لے گئے اور میں نےانہیں اپنا ارادہ بتایاتو وہ مجھے فوراًشہید سید محمد باقرصدر کے پاس لے گئےانہوں نے مجھ سے آدھا گھنٹہ لبنان بارے سوالات کیے بعد میں سید شہید محمد باقرصدر نے ہی میرے سر پر عمامہ رکھا۔

❖ لبنان ہی کےایک عالم دین تھے جن کا مصطفیٰ یٰسین نام تھاان کے دو بیٹے تھے حسن یٰسین، حسین یٰسین وہ نجف میں پہلے سے موجود تھے وہ شہید سید محمد باقرصدر سےاپنے سر پر عمامہ رکھوانا چاہتے تھےلیکن ان کے لئےایسا نہ ہوسکاتوپھرانہوں نے حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید خوئی

کے بیٹوں سے اپنے سر پر عمامہ رکھوایا، یہی شخصیت مصطفیٰ یٰسین بعد میں شہید سید حسن نصر اللہ کے سسر بنے۔

- تین طلباء کا گروہ شیخ علی کریم، شیخ محمد خاتون، شیخ حسن یٰسین، شہید سید عباس موسوی کے پاس درس پڑھتے رہے۔
- آپ بیان کرتے ہیں نجف الاشرف ڈیڑھ سال رہے۔
- نجف الاشرف سے واپسی پر 1979ء بعلبک میں مدرسہ بنایا گیا جو دو کمروں پر مشتمل تھا، بعلبک ایک بڑا گاؤں تھا اس مدرسہ میں پندرہ طالب علم تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے 1982ء تک تعلیمی سلسلہ کے دو مرحلے مقدمات اور سطوح کے دروس کو مکمل کیا، پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ مزدوری کرتے رہے، 1979ء میں شادی ہوئی تین بیٹے اور ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی۔
- وہ بیان کرتے ہیں کہ 1982ء انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد میں ایران آیا تو ایئر پورٹ پر مجھے گرفتار کر لیا گیا۔
- 1982ء اسرائیل کا لبنان پر حملہ ہوا وہ بیان کرتے ہیں کہ میں 1982ء ہی میں لبنان کو اسرائیل سے آزادی دلانے کے لئے حزب اللہ تشکیل دی گئی جس کا مرکز بیروت ہی میں تھا، ایران سے تین ماہ بعد 5 مئی کو واپس لبنان آگیا۔
- 1983ء بیروت میں حزب اللہ میں شامل ہوئے۔
- 1989ء سے 1990ء تک آپ بیروت میں حزب اللہ کے حوالے سے ذمہ داری نبھاتے رہے۔

- وہ بیان کرتے ہیں 1982ء میں امام خمینیؒ سے ملاقات کی، لبنان سے ایک کمیٹی آئی تھی، 1981ء میں تہران میں مستضعفین کا عالمی دن 15 شعبان المعظم کو منایا گیا اس میں شرکت کے لئے بیروت سے وفد ایران آیا تھا جس میں آپ بھی شامل تھے۔
- امام خمینی سے دوسری ملاقات 1986ء میں ہوئی اس وقت آپ حزب اللہ کی شوریٰ کے ہمراہ آئے تھے۔
- تیسری ملاقات ان کی وفات سے چند ماہ پہلے ہوئی یہ ملاقات امام خمینی سے تنہائی میں ہوئی۔
- رہبر سے پہلی ملاقات 1986ء میں ہوئی جب وہ صدر تھے، یہ ملاقات حزب اللہ کی شوری کے ہمراہ ہوئی۔
- حزب اللہ کا قیام 1982ء میں ہوا یہ حزب مختلف مراحل سے گزری۔
- شہید سید عباس موسوی کے بعد شہید سید حسن نصر اللہ حزب کے سیکرٹری بنے اور آپ کے دور میں حزب اللہ مضبوط ہوئی۔
- آپ کے دور میں شیعہ جماعت امل اور حزب اللہ میں تعلقات کارطے ہوئے جو اب تک قائم ہیں مسیحیوں سے مصالحت اور مخاصمت کا خاتمہ بھی آپ کے دور میں ہوا۔
- درزیوں اور اہل سنت کے ساتھ روابط پروان چڑھے بالخصوص اہل سنت سے تعلقات مضبوط ہوئے۔
- شہید سید حسن نصر اللہ کی شب وروز محنت نے حزب اللہ کو مضبوط کیا۔ آپ کی قیادت میں حزب اللہ نے عسکری میدانوں میں بہت زیادہ ترقی کی۔ سیاسی طور پر بھی حزب اللہ بہت زیادہ مضبوط ہوئی۔ لبنان کی سیاست

پرہمیشہ چھائے رہے اثرانداز ہوئے۔اسمبلی میں حزب اللہ کے ممبران پہنچائے۔

- ❖ امل کی بنیاد امام موسیٰ صدر نے 1974ء میں رکھی۔
- ❖ 1990ء میں معاہدہ طائف ہوا۔اس معاہدہ میں شہید عباس موسوی کا اہم کردار تھا۔

امام موسی صدر کے بارے

- ❖ امل مخفف ہے،(لبنانی مزاحمتی تحریک کی فوج)"افواج المقاومة اللبنانیه" اُمید کے معنی میں ہے۔
- ❖ موسیٰ صدر کی ولادت 1928ء میں قم المقدسہ میں ہوئی۔
- ❖ موسیٰ 1959ء میں لبنان تشریف لائے۔
- ❖ موسیٰ صدر نے 1960ء میں فلاحی تنظیم "البرو الاحسان" بنائی۔
- ❖ 1969ء میں شیعوں کے لئے مجلس اعلیٰ کی بنیاد رکھی۔
- ❖ 1974ء میں "حزب محرومین" کی بنیاد رکھی۔
- ❖ 1975ء میں لبنان میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔
- ❖ 1978ء میں امام موسیٰ صدر کا لیبیا کی جانب سفر ہوااور پھراس سفر سے واپس نہ آئے۔آج تک ان کے انجام بارے تفصیلات معلوم نہیں۔
- ❖ شہیدسید عباس موسوی 16فروری 1993ء کو شہید ہوئے۔دو سال سے کچھ زیادہ عرصہ آپ حزب اللہ کے سربراہ رہے۔
- ❖ 12 ستمبر 1997ء ایک فدائی کارروائی میں شہید سید حسن نصراللہؒ کے بیٹے سید ہادی شہید ہوئے۔

- 27 جون 1998ء ان کا جسد دیگر جنازوں اور قیدیوں کے ساتھ لبنان لایا گیا۔
- 1991ء میں سید عباس موسوی حزب اللہ کے سیکرٹری منتخب ہوئے تھے۔

شہید سید حسن نصراللہؒ کے مختصر حالات زندگی

- نجف اشرف میں جب شہید سید حسن پہنچ گئے تو شہید سید عباس موسوی انہیں شہید باقر صدر کے پاس لے گئے شہید سید محمد باقر الصدر نے شہید عباس موسوی کو کچھ پیسے دیے اور سید عباس موسوی کے ذمہ لگایا کہ وہ سید حسن کے لئے سفید قباء، عباء، عمامہ اور چند ضروری کتابیں خرید کریں اور ان کی سرپرستی کریں۔ مدرسہ ازہریہ میں داخل ہوئے۔
- شہید محمد باقر صدر نے آپ کے سر پر عمامہ رکھا اس وقت آپ بہت کم عمر تھے ساڑھے پندرہ سال کے تھے۔
- مصطفیٰ یٰسین کے دو بیٹے حسن یٰسین اور حسین یٰسین تھے۔ جو آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ آپ چھٹی کے دن ان کے گھر جاتے تھے اور ان سے مذاق کرتے کہ میرا خیال کیا کرو میں تمہارا بہنوئی بنوں گا اور بعد میں یہی ہوا کہ مصطفیٰ یٰسین جو خود بھی عالم دین تھے وہ آپ کے سسر بنے۔
- آپ ڈیڑھ سال نجف الاشرف میں رہے۔
- آپ نے "فلسفتنا، اقتصادنا" نجف الاشرف میں پڑھی آپ سید صدر کی تقلید کرتے تھے۔

- ❖ آپ سولہ سترہ سال کی عمر میں پیدل زیارت کے لئے اربعین (صفر۲۰) کربلاء پیدل گئے۔اس سال کربلاء میں زائرین کا قتل عام ہوا۔
- ❖ 1976ء اور 1977ء میں نجف اشرف سے طلاب کو نکالا گیا۔
- ❖ آپ 1977ء کے آخر میں واپس لبنان آئے کیونکہ نجف اشرف کے حالات ٹھیک نہیں تھے۔
- ❖ آپ نے معروف شخصیت جناب عبدالکریم کشمیری سے نجف چھوڑنے کے بارے استخارہ کروایا جو اچھا آیا آپ بیان کرتے ہیں استخارہ کے بعد ہم نجف اشرف سے نکل کھڑے ہوئے۔
- ❖ 1979ء لبنان بعلبک میں آگئے۔شہید سید عباس موسوی نے علامہ شمس الدین سے مشورہ کے بعد بعلبک میں مدرسہ کی بنیاد رکھی جو دو کمروں پر مشتمل تھا۔
- ❖ آپ پڑھائی کے ساتھ ساتھ مزدوری بھی کرتے تھے اور دیہاتوں میں تبلیغ کے لئے بھی جاتے تھے۔
- ❖ حاج شیخ یزبک، شیخ حسین کورائی قم سے واپس آگئے۔وہ اس مدرسہ میں استاد بن گئے، سید شہید کو مطالعہ کا بہت شوق تھا،آپ درس کی چھٹی نہ کرتے، دن رات پڑھتے تھے۔
- ❖ 18،16 گھنٹوں تک لکھنا پڑھنا آپ کی عادت بن گیا تھا۔
- ❖ 1980ء کے بعد آپ کی شادی ہوگئی جس سے تین بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔

آقائی خامنہ ای کا سید کے بارے میں بیان

- سید مقاومت اپنی ذات میں ایک مکتب تھے۔ان کا دیا ہوا راستہ جاری رہے گا،
- مجاہد کبیر،خطے میں مزاحمت کے علمدار، بافضیلت عالم دین ،سیاسی مدبر اور اللہ کی خاطر کئی دہائیوں پر مشتمل جہاد اوراس کی راہ میں درپیش مشکلات کا بہترین اور عظیم صلہ پایا۔
- اس قدر جدو جہد کے بعد تو شہادت کا تحفہ ان کا مسلم حق تھا۔
- عالم اسلام اورمزاحمتی محاذ ، ایک عظیم شخصیت اور بے مثال رہنماء سے محروم ہوگئے۔
- سید مقاومت ایک شخص نہیں تھے وہ ایک راستہ تھے،وہ ایک مکتب تھے آپ کا یہ راستہ اور مکتب جاری رہے گا۔
- نماز جمعہ میں رہبر معظم نے فرمایا: میں اپنے بھائی،عالم اسلام کی محبوب شخصیت،خطہ کے لوگوں کے لئے فصیح وبلیغ آواز،لبنان کے چمکتے، دمکتے، ستارے سے محروم ہوگیا۔
- ہم سب ان کی جدائی پر غمزدہ ہیں،دل شکستہ ہیں،سوگوار ہیں،ماتم دار ہیں لیکن ہمارے عزادار ہونے کا مطلب مایوسی نہیں۔
- وہ مظلوموں کی زوردار آواز،بہادر، مظلوموں کے حقوق کے محافظ وحمایتی،عدل وانصاف کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا حوصلہ بڑھانے والی شخصیت تھے۔

❖ سید علی خامنہ ای نے آپ کے بارے میں لکھا تھا: ''ہر وہ چیز جو سید عزیز (سید حسن نصراللہؒ) کی شخصیت اوران کی عزت میں اضافے کا باعث بنے وہ میرے لیے پسندیدہ اور مطلوب ہے۔''

نام: سید حسن نصراللہ بن سید عبدالکریم

والدہ: سید مہدیہ صفی الدین

پیدائش: بیروت، لبنان، شہر صور کے گاؤں بازوریہ

❖ آپ کی پانچ بہنیں اور چار بھائی آپ سب سے بڑے تھے۔

❖ ابتدائی تعلیم بیروت کے پرائمری سکول میں پڑھی۔ مڈل بھی بیروت میں کیا۔

❖ 1974،1975 کی خانہ جنگی کی وجہ سے بیروت سے واپس اپنے گاؤں بازوریہ میں چلے گئے۔

❖ گاؤں بازوریہ میں ڈیڑھ سال رہے وہی پر میٹرک پاس کیا۔ والد کی سبزی کی دکان تھی، بہت غربت تھی، سکول سے واپسی پر دکان پر کام کرتے تھے۔

❖ وہ پندرہ سال کی عمر میں کالج کا طالب علم تھے۔ حزب امل کی طرف سے گاؤں میں مسئول تھے ڈیڑھ سال اس عہدہ پر رہے اسی دوران ڈاکٹر مصطفیٰ چمران سے بھی ملاقات ہوئی۔

❖ آٹھ نو سال کی عمر میں کتاب'' ارشاد القلوب'' پڑھی دوسری کتاب ''امیر المومنینؑ کی قضاوتیں'' پڑھی۔

❖ گیارہ سال کی عمر میں پرائمری، مڈل کی تعلیم مکمل کی۔

- دس سال کی عمر میں اپنا راستہ تلاش کر لیا، نماز تہجد اور نماز پنجگانہ کے لئے علامہ سید فضل اللہ کی اقتداء میں نماز باجماعت میں شرکت کرتے تھے۔
- عمامہ سے محبت، والدہ کے چچا عالم تھے گھر میں ان کی تصویر دیکھتا رہتا اور امام موسی صدر کی تصویر کو بھی دیکھتا رہتا تھا۔
- چودہ سال کی عمر میں بازوریہ گاؤں میں پہلی مرتبہ مجلس ترحیم میں کاغذ پر لکھی تقریر سات منٹ میں ختم کی۔
- سید غروی کا صور شہر میں آنا جانا رہتا تھا۔ وہ نجف اشرف بھیجنے کا سبب بنے۔
- والدین سے کہا کہ میں ایف۔اے، بی۔اے، ایم۔ اے کروں گا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کروں گا کیونکہ والدین دینی طالب علم بننے پر راضی نہ تھے کہ ماں نے ان سے کہا تھا کہ ایک فقیر کا اضافہ ہو جائے گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں علماء مالی طور پر کس قدر کسمپرسی رہتے تھے کہ آپ کے نانا نے علماء کا لباس اُتار دیا تھا اور محنت مزدوری کے ذریعہ اپنے گھر کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ اسی حوالے سے خود سید بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ میں تو دینی تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اس طرح نجف اشرف جانے کا راستہ بنا۔
- اور اجازت مل گئی وہ بیان کرتے ہیں کہ اکیلے نجف اشرف گئے ان کے پاس فقط کرایہ کے پیسے تھے۔ نجف اشرف میں ایک شخص شیخ علی سے واقف تھے وہی انہیں اسی دن جس دن نجف اشرف پہنچے تھے شہید سید عباس موسوی کے پاس لے گئے اور وہ انہیں اگلے دن شہید صدر کے پاس لے گئے۔

- ماں نے کہا تھا: آپ کے عالم بننے سے فقیروں میں ایک فقیر کا اضافہ ہو گا، (نانا عالم تھے، جس کا انہیں بعد میں علم ہوا، اُنہوں نے غربت کی وجہ سے علماء کا لباس اُتار دیا تھا)۔
- میں نے والدین سے کہا کہا گر میں گاؤں میں موجود رہا تو امل والے مجھے لے جائیں گے اور اگر نجف چلا گیا تو وہاں پر کالج میں پڑھوں گا اور ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کرلوں گا۔
- اس طرح اس شہید راہ آزادی قدس کا سفر شروع ہوتا ہے جو مختلف مراحل سے گزرتا ہوا شہادت کے عظیم مرتبہ پر اختتام کو پہنچا اور اس طرح انہیں شہداء راہ آزادی قدس کی سرداری کا تمغہ ملا اور قیامت کے دن شہداء تحریک آزادی قدس کی قیادت کرتے ہوئے سید الشہداء ابو عبداللہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دیں گے اور بہت سارے گناہگاروں کی شفاعت کے لئے اللہ رحیم و کریم رب سے اجازت لیں گے۔ اپنے اور ہمارے تمام مجاہدوں اور اپنے چاہنے والوں کو جنت الفردوس میں لے جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ہم سب اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ہم نے ہر صورت میں اس دُنیا سے کوچ کر جانا ہے۔ اب زیادہ وقت یہاں رہیں یا مختصر وقت رہیں؛ ہمارا جو اسلامی نظریہ و عقیدہ ہے جس طرح اور بھی جو آسمانی ادیان ہیں ان میں یہ ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور ایک وعدہ ہمیں دیا گیا ہے کہ وہاں پر حساب و کتاب ہو گا اور وہ جگہ جہاں حساب ہونا ہے وہ ایسی زندگی ہے جو ہمیشہ کی ہے اور ہمارا وجود، ہماری زندگی اس دُنیا میں جو دُنیا فناء ہونے والی ہے وہ نہیں ہے مگر یہ کہ جن نعمات نے ہمیشہ رہنا ہے اُن کے لینے کے لیے اس دنیا میں ہماری آزمائش ہے کہ ہم وہ نعمات لیں یا ہم ہمیشہ کے عذاب اور تکلیف کے مستحق ہو جائیں۔ یہ سارا سلسلہ اس دُنیا میں ہم آزمائے جائیں گے ہمارا امتحان ہونا ہے۔

شک نہیں کہ دُنیا گزرگاہ ہے، آخرت کا کھیت ہے اور موت اعلان ہے کہ عمل ختم ہو گیا اور اب حساب لینا شروع ہوا۔ یہ کل ہے جو اس ختم ہونے والے عالم یا جہان اور ہمیشہ رہنے والے عالم اور جہان کے اُوپر ہے۔ یہ بڑے حقائق سے ہے اور بڑی سچائیوں سے ہے اور بہت ہی گراں اور تلخ ترین بات ہے ایک ایسا بڑا حتمی امر ہے کہ جس سے فرار ممکن نہیں۔

موت کو ہمیشہ یاد رکھنا یا یاد دلانا اور قیامت کے دن کو یاد رکھنا اور حساب و کتاب کا ذکر انسان کی زندگی کے لیے ایک بنیادی ہدف کی طرف پلٹتا ہے کہ ہم بیدار رہیں اور غفلت و بھول میں نہ چلے جائیں کہ یہ ایک حتمی امر ہے اس سے ہم چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتے۔ شہید سید حسن نصر اللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے موت کے بارے

گفتگو کی اور محشر کے صحراء کے متعلق کہ ان دونوں میں انسان پر کیا گزرنی ہے۔ 1437 ہجری قمری اور 2015 عیسوی میں ان کے محرم کے ایام میں 7 اور 9 محرم کے یہ خطابات ہیں۔

یہ دونوں لیکچرز بہت اہم ہیں اس لیے ہم نے ان کو کتاب کی شکل میں تحریر کیا اور قاری کے لیے پیش کیا ہے۔ اللہ سے دُعا ہے کہ ہماری عاقبت اور ہمارا انجام اچھا ہو اور بڑی کامیابی ہم حاصل کر سکیں۔ یہ پیش لفظ ہے جنہوں نے یہ کتابچہ تیار کیا ہے۔

مترجم کی بات

شہید رضوان اللہ تعالیٰ علیہ ہر سال محرم میں بیروت کے علاقہ جو ضاحیہ کہلاتا ہے وہاں کے امام بارگاہ (حسینیہ) میں محرم کی مجالس پڑھا کرتے تھے اور محرم کے ایام میں ایک عنوان لے کر اُس پر گفتگو کرتے تھے۔ یہ ۱۴۳۷ ہجری قمری کا محرم ہے اور یہ دو لیکچرز 7 اور 9 محرم کی رات کے ہیں۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کا ترجمہ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اُردو زبان میں کر دیں۔ ترجمہ کی ریکارڈنگ کی گئی ہے اور ریکارڈ شدہ آڈیو کو تحریر میں لایا گیا ہے۔

تمہید

ابتدائیہ

موت اور آخرت کے عالم کے ذکر میں

اللہ تعالیٰ نے کتاب المجید میں فرمایا:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ [1]۔

ترجمہ: ”(مشرک بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگائے رکھتا ہے، کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔“

ہم موت اور آخرت کے بارے میں گفتگو کریں گے اور ان کے متعلق جو امور ہیں اُنہیں بیان کریں گے جیسے قیامت کا دن اور عالم آخرت اور اس کے علاوہ۔ اسی بحث کے ضمن میں ہمارے اُوپر جو واجبات ہیں اور جو ہماری ذمہ داریاں ہیں اس دُنیا میں فرد کے حوالے سے، عالم آخرت کے معاملے میں؛ اُن کا بھی بیان ہو گا اس بارے میں بھی گفتگو ہو گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کی بہت بڑی اہمیت ہے کیونکہ موت اور آخرت کے مسئلے کے لیے انسان کا اس کو سمجھنا اس کی اس زندگی میں جو کام ہیں، اعمال ہیں اور اس دُنیاوی زندگی میں جو اس کے حالات اور امور ہیں بہت سارے اسی پر مرتب

[1] سورہ الزمر، آیت: ۹۔

ہوتے ہیں۔ مثال ہم لیتے ہیں کربلاء کا مسئلہ ہے۔ جو کچھ کربلاء میں ہوا اور اُس کے اوپر جو سب سے پہلے نتائج مرتب ہوئے جو اس کے بنیادی اسباب تھے اور جو اس کی جڑیں تھیں بنیادیں تھیں وہ سب اسی مسئلے کی طرف پلٹتے ہیں یعنی دُنیا اور آخرت کا مسئلہ اور آخرت پر نظر۔ کس طرح اس کو لینا ہے؟ امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں جو تھے اُنہوں نے اس کو کس طرح لیا اور یا وہ جو کہ دُشمن کی فوج میں تھے اُن کے لشکر میں تھے اُنہوں نے اس کو کس طرح لیا؟

موت کی حقیقت اور اس کے پیچیدہ سوالات

بحث کی گہرائی میں داخل ہونے سے پہلے ہم اُس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس پر تمام انسان جمع ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اور ہمارے آج کے دن تک اور پھر قیامت کے آنے کے دن تک آنے والے سارے انسانوں کا اسی پر اجماع رہے گا اور وہ ہے موت کی حقیقت۔

شک نہیں ہر صورت سب انسانوں نے مرنا ہے اس مسئلے میں انکار کی گنجائش نہیں اگر ہم پورے جہان میں اُس کے سارے اطراف میں گھومیں تو کوئی بھی عقل مند انسان نہیں پائیں گے کہ وہ اپنے بارے یہ دعویٰ کر رہا ہو کہ اُس نے اس دُنیا میں ہمیشہ رہنا ہے بلکہ سب اپنے بارے یہ اقرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ وہ عنقریب مر جائیں گے۔ اس میں فرق نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھنے والے مومنین ہیں یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں۔ اور اس میں بھی فرق نہیں ہے کہ اللہ کی توحید کے قائل ہیں، توحید پرست ہیں یا وہ جو مشرک ہیں، بتوں کی پوجا کرنے والے ہیں یا پتھروں کو سجدہ کرنے والے ہیں یا وہ جو کہ کسی معبود کی عبودیت اور عبادت کا اقرار نہیں کرتے نہ ہی کسی شئے کے آگے جھکتے ہیں سب کے سب موت کی حقیقت پر یقین رکھتے ہیں۔ سارے انسان اس لمبی تاریخ میں اور قیامت

کی گھڑی کے آنے تک اس حقیقت پر اکٹھے ہیں۔ اور وہ حقیقت جس پر سب کا اتفاق ہے وہ موت کی حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس پر مجبور کیا ہے کہ وہ قبول کریں۔ ”وقھرعبادہ بالموت والفناء“[2] کا جملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت اور فناء کے ذریعے اُن پر اپنا غلبہ کر رکھا ہے، اُنہیں اس پر قرار دیا ہے کہ سب انسانوں نے مرنا اور فناء ہونا ہے۔

ہم ایک ایسی حقیقت کے سامنے ہیں کہ جس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کے بارے میں اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے۔ انسان کا جو بھی ایمان ہو، جو بھی اس کی فکری سطح ہو، جو بھی اس کے نظریات ہوں وہ کسی دین کو قبول کرتا ہو یا کسی دین کا قائل ہی نہ ہو تو وہ عنقریب مر جائے گا؛ سب اس کے قائل ہیں۔

البتہ جو بات ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو یہ ایک حقیقت ہے اس پر ایک بڑا سوال اور مرکزی سوال سامنے آتا ہے کہ موت کے بعد کیا ہے؟ یہ ایک منطقی و طبیعی سوال ہے اور جائز سوال ہے۔

کہ موت کے بعد کیا ہونا ہے؟ ہم افراد اور ہماری موت! سوال یہ ہے کہ اس کے بعد کیا ہونا ہے؟ ہمارے بھائی، دوست جو مرے ہیں، ہمارے رشتہ دار جو مرے ہیں؛ دُنیا تو ابھی موجود ہے تو وہ کہاں چلے گئے ہیں؟ اور کون سے حالات ان کے انتظار میں ہیں؟ اُن کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ پھر یہ سوال ہے کہ اس دُنیا کے ختم ہونے کے بعد کیا ہو گا؟ یہ کائنات جب ختم ہو جائے گی اور باقی نہیں رہے گی کیونکہ سب انسانوں کا اس پر اتفاق ہے؛ تمام سائنسدان، علماء، دانشور سب اس پر متفق ہیں کہ جو یہ کائنات ہے یہ طبیعی طور پر قدرتی طور پر اپنے اختتام کی جانب جا رہی ہے اور اس

---

[2] امیر المومنین علیہ السلام کی دُعائے الصباح۔

کی طبعی موت ہے اور پھر سوال ہے کہ جب یہ کائنات نہیں رہے گی تو اس کے بعد کیا ہو گا؟

ہم جو دیکھ رہے ہیں اور جسے ہم اپنی سوچ کے حوالے سے اور اپنے ضمیر کے حوالے سے سمجھتے ہیں اور ہم جو معرفت رکھتے ہیں؛ فلسفی پیچیدگیوں اور عقائدی ابحاث سے دُور رہتے ہوئے یہ سوال ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے اور روزانہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ انسان مر رہے ہیں اور ہم اپنے سامنے بے جان اجسام کو پڑا ہوا دیکھتے ہیں ، جان یا رُوح اس انسان کے جسم سے نکل گئی ہے اور اُس کا پورا جسم اُس کے سارے اعضاء بالکل صحیح و سالم ہیں ، بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کوئی بیماری بھی نہیں ہوتی صحت کے حوالے سے اس کے لیے کوئی مشکل بھی نہیں ہوتی اور اس میں نہ ہی کوئی خلل ہوتا ہے جسم میں کچھ کمزوری یا خامی آرہی ہوتی ہے تو موت اُس کے پاس آجاتی ہے اور اُس سے رُوح نکل جاتی ہے اور وہ ہمارے سامنے بے جان جسد پڑا ہوتا ہے۔

تو یہ بے جان جسم جب ہوتا ہے تو لوگوں کی اکثریت عام طور پر مادی طور پر اُس کا جنازہ اٹھاتے ہیں اور اُس کے جو دینی واجبات ہیں اُس جسم کے حوالے سے وہ اسے پورا کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے دین کے حوالے سے جو اُس کا نظریہ ہے؛ پھر اس کو ایک چھوٹا سا علاقہ ہوتا ہے جسے قبرستان کہتے ہیں اُس میں جا کر اس کو دفن کر دیتے ہیں اور پھر اُس گڑھے میں، قبر میں جو کھودی ہوئی ہوتی ہے اس میں اس جسم کو رکھ دیتے ہیں، جب اس میں اس کے جسم کو رکھتے ہیں تو اس پر مٹی ڈال دیتے ہیں اس طرح اس کا دُنیا سے رابطہ اصل ختم ہو جاتا ہے، اس کی خبریں غائب ہو جاتی ہیں اس کا ذکر نہیں رہتا۔ اس قبر میں اس جسم کے ساتھ جس کو ہم نے دفن کیا ہے کیا گزر رہی ہے؟ اس میت کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کچھ معلوم نہیں!

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جس جسم کو ہم نے قبر میں چھوڑا ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد پرانا ہو جائے گا، کیڑے، حشرات، مکوڑے، سانپ بچھو اس کو کھا جائیں گے اور یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا اور کچھ بہت لمبا عرصہ گزرنے کے بعد یہ ہڈیاں بھی بوسیدہ رہ جائیں گی بوسیدہ راکھ بنی ہوئی اور اس سے بھی اور وقت گزرے گا تو بس وہ ایک مٹی اور ایک خاک دھول وہاں رہ جائے گی اور اس میت کے جو تعلق دار ہیں وہ جب پلٹ کر آتے ہیں تو بس وہ اُس کے مرنے پر افسوس کرنے والوں کو اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں اور کچھ عرصہ تک اُس میت کو یاد رکھتے ہیں، مرنے والا کچھ ہفتے یاد رہتا ہے لیکن پھر ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ اپنی طبیعی زندگیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں اور وہ اس میت کو بھول جاتے ہیں اور اس نے کیسے زندگی گزاری تھی وہ بھی بھول جاتا ہے سب لوگ اس کو جانتے ہیں۔ پھر ایک طویل عرصے بعد وہ اس قبر میں عظام نخرۃ[3] "بوسیدہ ہڈیاں" کے کچھ باقی نہ رہے گا۔

رُوح کے بارے

یہ رُوح جو جسم سے کوچ کر گئی ہے اور جسم بے رُوح اور بے جان رہ گیا ہے، کیا یہ رُوح بھی مر جائے گی؟ یا یہ زندہ رہے گی؟ سمجھ دار ہو گی، شعور والی ہو گی اور اُس کے ارد گرد جو کچھ ہو رہا ہے اُسے سمجھ رہی ہو گی؟ درد کا احساس بھی ہو گا، غم کا احساس بھی ہو گا، خوشی کا بھی احساس ہو گا۔ تو اس رُوح کی حالت کیا ہے؟ کس حال میں یہ ہو گا؟ رُوح یا نفس کہیں یا جو نام دے دیں وہ کہاں جائے گا، کہاں ٹھہرے گا؟

[3] والعظام النخرۃ یعنی بوسیدہ ہڈیاں، یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: بعض مستکبرین تھے جو مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان کیا ہے: يَقُولُونَ ءَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ، ءَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً۔ ترجمہ: "کہتے ہوں گے: کیا ہم ابتدا کی طرف پھر واپس لائے جائیں گے؟ کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو چکے ہوں گے (تب بھی)۔" (سورۃ النازعات، آیت: ۱۰ و ۱۱)

اس کا قیام کہاں ہو گا؟ اس کا انجام کیا ہو گا؟ یہ سوالات ہیں۔ اسی کے حوالے سے دوسرے سوالات بھی پیش ہو سکتے ہیں۔ کیا موت کے بعد ایک اور جہان ہے؟ وہ جہان کیا ہے؟ اُس کے حالات کیا ہیں؟ اُس میں کیا ہونا ہے؟ اُس کے قوانین کیا ہیں، وہاں معیارات کیا ہیں؟ وہاں کے طور طریقے کیا ہیں؟ کیا وہ ہمارے جہان کی طرح ہے یا ہمارے جہان سے مختلف ہے؟ کیا ہمارے جہان کے درمیان اور اُس جہان کے درمیان کوئی تعلق ہے؟ کیا اُس عالم میں حساب ہونا ہے، احتساب ہونا ہے یا نہیں ہونا؟ اگر ہم حساب کیے جائیں گے ہم سے پوچھا جائے گا تو کس چیز کے بارے میں؟ جو ہم نے اس دُنیا میں کیا ہے اسی بارے میں؟ کہ کس بارے میں سوال ہو گا اور کیوں ہو گا؟ بہت سارے سوالات ہیں اور یہ سوالات معروف ہیں اور جائز سوالات ہیں کوئی سوال ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں ہم یہ کہیں کہ ایسا سوال کیا ہی نہیں جاسکتا۔

یہ سوال ایسے ہیں کہ ان کے بارے میں غور ہونا چاہیے، لمبی فکر ہونی چاہیے، گہری بحث ہونی چاہیے، حقیقی اور سنجیدہ بحث ہونی چاہیے کیونکہ یہ ہم میں سے ہر ایک کے انجام سے متعلق ہے جو انجام ہم پسند کرتے ہیں اُس کے بارے میں ہے، جس کو ہم دوست رکھتے ہیں اُس کے متعلق ہے۔ انسان اب اگر کسی ایک سے محبت کرتا ہے اُس کی ماں ہے، اس کا باپ کے، اس کی بیوی ہے، اس کی اولاد ہے، اس کے بھائی ہیں اس کی بہنیں ہیں، اس کے رشتہ دار ہیں، اس کے دوست ہیں، بغیر شک کے اُسے فکر ہونی چاہیے کہ اُن کا انجام کیا ہوا ہے؟ وہ خود اس کے اپنے بارے میں اور اُن کے بارے میں کہ وہ کس حال میں ہیں اُن کا انجام کیا ہے؟

جہانِ آخرت سے متعلق معرفت کے لوازم

ہم نے یہ بات بتائی کہ عالم آخرت کے واقع ہونے اور اُس کے احوال کے بارے میں بحث ضروری ہے، وہ عالم جو موت کے بعد کا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق انسان کے انجام سے ہے۔ یہاں پر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ فقط اس حوالے سے نہیں ہے کہ ہمیں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں بلکہ یہ بحث ہم کر رہے ہیں ایک ایسے امر سے متعلق جس کا ہمارے ساتھ تعلق ہے، ہمارے انجام کے ساتھ تعلق ہے، اُس عالم میں جو بعد والا ہے اُس میں جو ہماری زندگی ہے اُس کے بارے میں ہے کہ ہم نے ہمیشہ کی نعمت میں رہنا ہے یا ہمیشہ کی بدبختی میں اور تکلیف میں رہنا ہے؛ یہ ہماری سلامتی کی بحث ہے ہمارے امن کی بحث ہے ہمارے پر سکون رہنے کی بحث ہے۔ یہ ایسی ابحاث سے ہے کہ جو انسان کے انجام سے متعلق ہیں جس کی بنیاد پر عمل کرنا ہو گا اور اُس کے بارے میں تدبیر کرنی ہو گی اُس کے بارے میں صلاحیت اور پروگرام ترتیب دینے ہوں گے، منصوبے بنانے ہوں گے کیونکہ ہمارے سامنے ایک لمبا سفر ہے اور ایک لمبی زندگی کی داستان ہے۔

عجب یہ ہے کہ یہ مسئلہ یہ سارے مومنین کو بھی شامل ہے اور اُن کو بھی شامل ہے جو مومن نہیں ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اس بات کو جانتا ہے کہ دُنیا کی یہ زندگی ہمیشہ ہرگز نہیں رہے گی، تھوڑے سے سالوں کے لیے وہ یہاں پر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک ایسا ہو جو فقط چند منٹوں کے لیے آیا ہو؛ اللہ ہی بہتر جانتا ہے!۔ ہم سب یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ہم نے بہت لمبا عرصہ رہنا ہے اس لیے ہم پڑھتے ہیں ماہر بنتے ہیں بحثیں کرتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، عمل کرتے ہیں، گھر بناتے ہیں، گھر کا سامان اکٹھا کرتے ہیں، شادی کرتے

ہیں، اولاد نصیب ہوتی ہے اور ہم طاقت حاصل کرتے ہیں اور عہدوں کی تلاش میں ہوتے ہیں اور ہم ایسی قدرت کی تلاش میں ہوتے ہیں کہ جس سے ہم اپنی حفاظت کر سکیں، اپنے آپ کو امن پہنچا سکیں، اپنے گھر والوں کو سکون دے سکیں، اپنی صحت کا خیال کرتے ہیں، دوسروں کی صحت کا بھی خیال کرتے ہیں۔ آسائش کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں اور اس کے علاوہ ہم اپنی پوری انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ ہماری مختصر زندگی اچھی گزرے لیکن جو ہماری اگلی زندگی ہے جو کروڑوں سال پر محیط ہے جو زندگی ہمیشہ کے لیے ہے تو اُس کے لیے ہم کام نہیں کرتے، اُس کے بارے میں نہیں سوچتے، اُس کو ہم اپنے حساب میں نہیں لاتے۔ کیا ہم جہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کے لیے گھر نہ بنائیں؟ وہاں کے لیے ہم باغات نہ لگائیں؟ وہاں کے لیے ہم پر سکون رہیں سالم رہیں، ہمیں وہاں پر سکون ماحول ملے، رفاحیت میں ہوں عزت ہو، شرف ہو، شان ہو، ہمارے اچھے ہمسائے ہوں اس کے بارے نہ سوچیں؟ اور وہاں جو تکلیف دہ عذاب ہے ایسا عذاب اور ایسی تکلیف کہ جس کے بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا اور اُس کے ذہن میں کچھ آہی نہیں سکتا کہ اُس میں کیا تکلیف ہونی ہے، کیا ہم ایسا عمل نہ کریں کہ اُس آگ سے، اُس مصیبت سے بچ جائیں کہ اس سے ہرگز کوئی بھاگ نہیں سکے گا۔

ہمارا یہ رویہ عجیب ہے، افراد کے حوالے سے دیکھ لیں یا گروہوں اور جماعتوں کے حوالے سے دیکھ لیں یہ منطقی نہیں ہے اور تضاد اور ٹکراؤ ہے، عقلی بھی نہیں ہے۔ ہم اگر مصلحتوں کو دیکھیں اور ذاتی منفعت اور منافع کو سامنے رکھیں تو بھی یہ ہمارے رویے درست نہیں ہیں۔ فرض کرتے ہیں ہمارے پاس کوئی شخص آیا اور اُس نے ہمیں خبر دی کہ بہت زوردار زلزلہ آنے والا ہے اور جس سے یہ تمہارا گھر گر جائے گا ایک سال کے دوران یا دو سال کے دوران جس میں سب کچھ ختم ہو جائے

گا تو سوال ہے کہ یہ سننے کے بعد ہم کیا کریں گے؟ کیا وہ شخص جس کو یہ معلوم ہو چکا ہے وہ اس کے بارے میں نہیں سوچنا شروع کر دے گا کہ اس گھر کو بیچ ڈالیں اور یہاں سے سارے جو سلسلے ہیں وہ ختم کرے اور ایک ایسی جگہ چلا جائے جہاں پر اس قسم کے زلزلے آنے کا اندیشہ نہ ہو، بلکہ خالی اگر احتمال بھی دے تو بھی وہ اس جگہ کو چھوڑ دے گا تاکہ جو ایک بڑا خطرہ سامنے ہے اُس سے نجات پا لے جبکہ پتہ ہے کہ یہ سائنسی حوالے سے خبر تھی یا موسمیات والوں نے خبر دی تھی یہ ہو بھی سکتا ہے اور احتمال ہے کہ نہ ہو، یا فرض کریں کہ کسی انسان کو یہ کہا جاتا ہے کہ جس راستے پر تم جا رہے ہو وہاں آپ کا ایک دُشمن چھپا ہوا ہے یا وہاں پر ایک ایسا راستہ ہے جس میں چٹانیں ہیں اور مشکل گھاٹیاں ہیں جہاں سے تم کو عبور کرنا ہے اُس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے تو کیا وہ ایسے وسائل نہیں مہیا کرے گا تاکہ اس راستے سے خیریت سے گزر جائے، راستے میں جو پتھر ہیں جو چٹانیں ہیں اُن کو ہٹانے کا انتظام نہیں کرے گا؟ اور جو دشمن چھپا ہوا ہے اُس سے کیسا سامنا کرنا ہے اس کی فکر نہیں کرے گا؟ تاکہ وہ اُس جگہ سے صحیح و سالم گزر جائے اور اپنی مطلوبہ جگہ تک پہنچ جائے۔ انسان جس کا دُنیا میں یہ حال ہے تو وہ زندگی جو ابدی ہے اُس کا جو امن کا سرچشمہ ہے وہاں جو سلامتی کی بات ہے وہاں نعمت میں رہے، خوشحال رہے، آخرت کی جو زندگی اُس کے سامنے ہے تو کیا اس کے لیے کوشش نہ کرے؟ ہمارے زندگی کے جو سال ہیں اس کے دوران اُس کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہ کرے؟ اُس کو نہ پڑھے؟ اُس کے لیے پروگرام ترتیب نہ دے؟ اُس کے لیے تجارت نہ کرے، اس کے لیے کوشش نہ کرے دن رات تاکہ وہاں کھانے پینے کا اچھا انتظام ہو اور رہائش اچھی ہو، لباس اچھا ہو، وہاں امن و سکون اسے ملے، امان میں رہے، دشمن سے دُور رہے اور اُس کی ایسی اجتماعی زندگی ہو جو کہ پسندیدہ ہو اور معقول ہو۔ تو اب سوال یہ ہے کہ ہم نے اُس

جہان کے لیے کیا تیاری کی ہے، کیا آمادہ کیا ہے؟ اُس کے حوالے سے ہم نے کیا کام کیا ہے؟ یہ بڑا سوال ہے۔ اگر ہم اگلے جہان کی موجودگی کا احتمال دیں اور یہ بھی کہیں کہ موت کے بعد کی ایک زندگی ہے تو انسان اسی احتمال پر ہی اُس کے لیے تیاری کرے گا، اگر ہم میں سے کسی کو اس آخرت کے وجود بارے یقین نہ ہو اور موت کے بعد کی زندگی پر اُسے پورا یقین نہ آئے تو خالی احتمال ہی کافی ہے منطقی ہے ہماری عقل سے جو بات سمجھ رہے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ احتیاط کرے اور اس احتمال کی بنیاد پر تیاری کرے اُس جگہ کے لیے کیونکہ موت کے بعد تو بالکل عمل کرنے کا موقع ہی نہیں ہو گا لیکن وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کے اسماء پر یقین ہے، اللہ کی صفات پر یقین ہے، اللہ کی قدرت جس کی کوئی حد نہیں ہے اس پر یقین ہے اللہ کے کمال پر، اللہ کے جود و سخاء پر، اللہ کی کبریائی و جبروتیت پر، اللہ کے عدل پر یقین ہے۔ تو وہ جو گروہ ہے جس کے لیے ہم یہ گفتگو کر رہے ہیں خاص طور پر تو اُسے تو اُس جہان کے لیے تیاری کرنی چاہیے اور اُس کے لیے تو اُنہیں سستی نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی اس حوالے سے پیچھے رہ جائے، سستی کرے یا بیٹھا رہے۔

موت کے بعد کی زندگی کے وجود پر دلائل

ہم تو موت کے بعد کی زندگی کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ آخرت کا عالم جہان آخرت ہے اور وہاں پر احتساب ہونا ہے، ثواب بھی ہے عذاب بھی ہے، جو کچھ ہم نے کیا ہے جو انسان نے کمایا ہے وہاں پر جنت بھی ہے اور جہنم (آگ) بھی ہے[4]۔ خوشحالی اور امن و سکون بھی ہے۔ ہم لمبی استدلالی بحث میں نہیں پڑتے کہ

[4] قرآن کی آیات بہت زیادہ آئی ہیں اور اہل البیت علیہم السلام سے روایات بھی ہیں جس میں آخرت کا ذکر ہے، ثواب کا، عذاب کا، جنت کا، دوزخ کا، حشر کا اور حساب کا۔ اور یہ حقائق بہت زیادہ ہیں کہ مومن کے لیے گنجائش ہی نہیں ہے جو شریعت نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائل ہے اُس کے لیے ان سب مسائل کے برحق

ان مسائل کے ثبوت کے حوالے سے دلائل پیش کریں کیونکہ بات یہ ہے کہ توجہ دلانا ہے جس پر ہم نے اپنی عمارت کھڑی کرنی ہے لیکن پھر بھی کچھ استدلال کے جہات کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

نمبر ایک، موت کے بعد زندگی کی موجودگی پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہ جتنے انبیاء علیہم السلام آئے جن کو تاریخ انسانیت میں بھیجا گیا جن کی تعداد بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار[5] بنتی ہے سب نے موت کے بعد کی زندگی کے متعلق

ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ انہوں نے واقع ہونا ہے اور جو قرآن کریم میں آیا ہے: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ (سورۃ بقرۃ، آیت: ۴۸)۔ اور قول ہے: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔ (سورۃ النساء، آیت: ۸۷)۔ اور قول ہے: اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى (سورۃ طٰہٰ، آیت: ۱۵)۔ اور قول ہے: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (سورۃ القصص، آیت: ۸۳)۔ اس کے علاوہ بہت ساری آیات ہیں جن کو شمار کرنا مشکل ہے لیکن روایات بھی اہل البیت علیہم السلام سے بہت زیادہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے ہے کہ: { ألا ولا بد من الموت، جاء الموت بما فيه، جاء بالرَّوح والراحة والكرّة المباركة الى جنة عالية لأهل دارالخلود، الذين كان لها سعيهم وفيها رغبتهم، و جاء الموت بما فيه بالشقوة والندامة وبالكرّة الخاسرة الى نار حامية لأهل دار الغرور، الذين كان لها سعيهم و فيها رغبتهم۔ } (الکافی، کتاب ''الجنائزہ'' باب ''النوادر''، الحدیث: ۲۷)۔ اور ہے نبی ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے ابی ذر سے کہا: ''اے ابوذر! اپنا حساب کر لو قبل اس کے کہ تمہارا حساب کیا جائے، تیرا اپنا حساب کرنا آسان ہے بلکہ اس حساب سے اپنا وزن کر لو قبل اس کے کہ تمہارا وزن کیا جائے اور بڑے دن میں پیش ہونے کے لیے تیاری کر لو کہ اُس میں جو پیش ہو گے تو اللہ پر تو کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے ہلکی سی چیز بھی۔'' (میزان الحکمہ، جلد ۲، حدیث ۳۸، ۴۱) اور اس کے علاوہ بہت ساری روایات ہیں۔

[5] یہ اس تعداد پر تقریبا تمام روایات میں جو سب سے زیادہ روایات ہیں اس پر اتفاق ہے اسی تعداد پر۔ خصال میں نبی ﷺ سے یہ روایت ہوئی ہے کہ جب ابوذر نے انبیاء کی تعداد کے بارے میں آپ سے

بات کی اور یہ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں یہ اپنی اپنی اقوام میں صداقت میں، امانت میں، نیکی میں، سلامتی میں صحیح و سالم تھے؛ سب نے اللہ تبارک و تعالیٰ[6] کی جانب سے یہ خبر دی ہے۔

سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "مئة ألف وأربعة وعشرون ألف نبی" ترجمہ: "ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی تھے۔" (میزان الحکمہ، جلد ۱۰، حدیث: ۱۹۴۹۵) اور حدیث میں روایت ہوئی ہے امالی سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا: "خلقَ اللہ عزوجل مائة ألف نبی وأربعة وعشرین ألف نبی، أنا أکرمهم علی اللہ ولا فخر" ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی خلق فرمائے، میں اُن سب میں زیادہ کرامت رکھتا ہوں اللہ کے ہاں اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔" (امالی الصدوقؒ، مجلس نمبر: ۴۱، حدیث: ۱۱) اس کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اس مضمون کی احادیث موجود ہیں۔

[6] شریعت اسلامیہ میں یہ بات ثابت ہے کہ سارے انبیاء حضرت آدم سے لے کر ہمارے پیغمبر اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ایک بات پر ان سب کا اتفاق تھا کہ وہ اللہ پر ایمان کی دعوت دیتے تھے، اللہ کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور آخرت کے دن کے بارے میں دعوت دیتے تھے۔ قرآن الکریم نے کئی مقامات پر اس بات کو بیان کیا ہے۔ نبی نوح علیہ السلام کا بیان ہے: لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡكُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ۔ (سورۃ الاعراف، آیت: ۵۹)۔ نبی ابراہیم علیہ السلام سے یہ بات قرآن میں آئی ہے: وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ۔۔۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۲۶)۔ نبی یوسف علیہ السلام سے یہ بیان نقل ہوا: رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَ عَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ۔ (سورۃ یوسف، آیت: ۱۰۱)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: وَ اكۡتُبۡ لَنَا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَیۡكَ۔۔۔ (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۵۶)۔ اس کے علاوہ بہت ساری آیات ہیں کہ جس میں سابقہ انبیاء جو اسلام سے پہلے رہے اُنہوں نے اپنی اپنی قوم سے بات کی، سارے یہ بتاتے رہے کہ آخرت کے دن پر ایمان لے آؤ اور لوگوں کو دعوت دی کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اُن کو اللہ سے چوکنا رہنے کے بارے میں بتایا کہ اللہ پر ایمان نہیں لاؤ گے شرک کرو گے تو تمہارے ساتھ یہ سلوک ہو گا۔

جس طرح آسمانی کتابیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے انبیاء پر، سب عالم آخرت کی بات کرتی ہیں اور اُس میں آخرت کی زندگی کی قرآن الکریم جو ہمیشہ رہنے والی کتاب ہے اور تمام کتابوں کی خاتم ہے جس کا اعجاز اور معجزہ ہونا عقلی دلائل اور روایات سے ثابت ہے اور جو اقوال ہیں اُن سے اس کا معجزہ ہونا معلوم ہے اور تقریباً ایک ہزار آیات کریمہ ایسی ہیں جو آخرت کے موضوع کے متعلق ہیں اور جو کچھ آخرت میں ہونا ہے موت کے بعد اور قیامت سے پہلے اور پھر قیامت کے بعد جنت اور جہنم کی بات ہے اور جنت اور جہنم کی جو وہاں کی زندگی ہے اس کا ہمیشہ ہونا اور اسی مضمون کی آیات ہیں یہاں تک کہ کچھ سورتیں ہیں قرآن میں جن کا نام ہی آخرت کے نام سے ہے جیسے سورہ مبارکہ ہیں: الجاثية، الواقعة، الحشر، الممتحنة، التغابن، الحاقة، القيامة، التكوير، الانفطار، الغاشية، الزلزلة، القارعة، اور بعض ایسی ہیں جن کا سارا مضمون اسی آخرت کے حوالے سے ہے اور جو کچھ آخرت میں ہونا ہے اور جنت اور جہنم کے حوالے سے اور بعد الموت جو ہونا ہے، اگرچہ اُن کا نام قیامت کے ناموں سے نہیں ہے جیسے سورۂ الانسان۔

یہ بات اس پر زور دے رہی ہے کہ عدل الٰہی کا تقاضا بھی ہے کہ ہم جو ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ عادل ہے تو اس کا تقاضا نیک زندگی ہونی چاہیے کیونکہ مومنین اور نیک لوگ جو اس دُنیا کے ہیں آدمؑ سے لے کر قیامت کی گھڑی تک، اُن میں سے زیادہ تر وہ ہیں کہ جن کو اُن کے نیک اعمال کا نتیجہ اور جزاء نہیں ملی، وہ قتل کر دیے گئے، شہید ہو گئے درد اور تکلیف برداشت کی، بڑی بڑی مصیبتیں اس دُنیا میں اُنہوں نے دیکھیں جبکہ دوسرے خوشحال رہے، نعمات میں کھیلتے رہے تو ضروری ہے کہ ایک اور عالم ہو جس میں عدل کا ترازو لے اور اُن کو آخرت میں اُن کو نیک اعمال کا بدلہ ملے اور جو انہوں نے تکالیف اٹھائی ہیں اس کی جزاء ملے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار

پیغمبر اور ہزاروں مومنین، نیک لوگ، شہداء کی پوری تاریخ میں وہ اپنے نیک عمل کی جزاء پائیں گے، ضروری ہے کہ ایک اور جہان ہو ایک اور زندگی ہو جس میں اُنہیں اُن کے جہاد کا اجر ملے اُنہوں نے جو زخم سہے اس کا بدلہ ملے، جو درد دیکھے اس کا بدلہ ملے، اُنہوں نے جو سختیاں جھیلیں اور اس سختیوں پر جو صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے سب کچھ برداشت کیا، غربت اور فقر میں رہے، بیماریوں میں رہے، تکالیف میں رہے اس دُنیا میں صداقت اور اخلاص کے ساتھ رہے تو دوسری طرف ظالم لوگ تھے، مجرم تھے، سرکش تھے؛ جبر و استبداد کرنے والے تھے، قاتل تھے اور زمین کو انہوں نے ظلم وجور سے بھرا ہوا تھا فساد اور سرکشی کی تھی جیسے فرعون، نمرود[7] اور وہ جو کہ اُن سے پہلے تھے یا اُن کے بعد تھے اور بہت سارے سرکش جو اس زمین پر رہے

[7] فرعون اللہ کے نبی موسیٰ ؑ کے زمانے میں تھا، زمین میں اس نے جبر کیا، بنی اسرائیل پر ظلم کیا اور اپنے آپ کو رب قرار دیا۔ قرآن نے چند جگہوں پر اس کا حوالہ دیا ہے ان میں سے اللہ کا قول ہے: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (سورۂ القصص، آیت: ۴)۔ اللہ کا فرمان ہے: هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ،اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ ، اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚۖ ، فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ، وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۚ ، فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۚۖ ، فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ۚۖ ، ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ، فَحَشَرَ فَنَادٰى ، فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ، فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ؕ (سورۂ النازعات، آیت: ۱۵ تا ۲۵)۔ اللہ کا قول ہے: وَ لَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ، مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ (سورۂ دخان، آیت: ۳۰ تا ۳۱)۔ اور اس کے علاوہ بہت ساری آیات ہیں۔ نمرود نبی اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے بادشاہوں سے تھا اور وہ اپنی قوم پر حکومت کرتا تھا اور سرکشی کی، فساد پھیلایا، رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ قرآن پاک میں خدا فرماتا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سورۂ البقرہ، آیت: ۲۵۸)

اُنھوں نے دُنیا میں اپنے اس ظلم کی سزاء نہیں دیکھی تو عدل الٰہی کا تقاضا ہے کہ وہاں ایک اور جہان ہو جس میں ان کا احتساب کیا جائے اور اُن کو سزا دی جائے اُن کو عذاب دیا جائے ان کے جرائم پر، ان کے فساد پھیلانے پر ان کی سرکشی پر، ان کے جبر واستبداد پر، جو انہوں نے اللہ کے بندگان پر کیا، اللہ کی مخلوق پر کیا، اللہ کے عیال پر کیا۔ تو ضروری ہے کہ ایک اور جہان ہو جس میں یہ ساری چیزیں عملی شکل پہنیں۔

باب اوّل: قبر اور برزخ

آخرت کی منازل میں پہلی منازل

تمہید اور ابتدائیہ میں جو سوالات ہم نے اُٹھائے اُسی کی طرف واپس پلٹتے ہیں؛ ہم کہتے ہیں کہ سوال پیش ہوئے اُس پر جو جواب آیا اُس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ اسلامی اور قرآنی بنیاد پر کمترین بات یہ ہے اور ہم تفصیلات میں جائے بغیر اس حوالے سے جو بنیادی باتیں ہیں اُن کو بیان کرتے ہیں۔

نمبر ۱: ہم یقین رکھتے ہیں کہ موت کے بعد زندگی ہے اور اس کے لیے قرآنی دلائل، عقلی دلائل اور عقلی دلائل بھی ہیں۔ ایک عالَم آخرت ہے جس کے بیان کی طرف ہم بعد میں منتقل ہوں گے اور کوئی بھی انسان ہے اس کی زندگی موت و دُنیاوی حیات پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اُس کی حیات کا ایک مرحلہ ہے جو یہاں پر ختم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دُنیا ختم ہو گی تب بھی انسانیت ختم نہیں ہو گی بلکہ انسانیت پوری طرح جب سے آدمؑ آئے اور آخری انسان تک، قیامت کے آنے سے پہلے آخری جہان یعنی عالَم آخرت میں منتقل ہوں گے۔ یہ بنیاد اور اصل ہے یہیں سے آغاز ہے۔

نمبر ۲: موت کے بعد کی جو زندگی ہے وہ ہمارے اسلامی عقائد کی بنیاد پر دو مراحل میں ہے:

☆پہلا مرحلہ: وسطی مرحلہ ☆دوسرا مرحلہ: کبریٰ مرحلہ

اگر اس طرح اس کی تعبیر کریں یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مرحلہ تیاری اور آمادگی کا مرحلہ ہے اور ایک مرحلہ ابدی حقیقی حیات کا ہے جیسا کہ علامہ طباطبائیؒ جو تفسیر المیزان لکھ چکے ہیں انہوں نے بیان کیا ہے؛ پس دُنیا اپنے لحاظ سے یہ دار العمل ہے، امتحان کی جگہ ہے، آزمائش کی جگہ ہے۔ ایک وسطی عالَم ہے جس میں احتساب

کے لیے تیار ہونا ہے اور جو کیا ہے اُس کا بدلہ لینے کے لیے آمادگی ہونی ہے، وہاں ایک تیسرا عالَم ہے جو کہ عالَم آخرت ہے اور جہاں احتساب اور حساب کی سزا و جزاء ہو گی۔ وسطی عالَم جو ہے اس کو عالَم برزخ کا نام دیتے ہیں اور وہ عالَم؛ عالَم قبر کے نام سے بھی مشہور ہے۔

حیات اور آخرت

اسلامی اصطلاح کے مطابق عالَم بزرخ کے حوالے سے درمیانی مرحلے کو اسلامی اصطلاح میں عالَم برزخ کا نام دیا گیا ہے اور یہ عالَم انسان کے موت کے لمحہ سے شروع ہو جاتا ہے جب انسان اس دُنیا سے انتقال کر رہا ہوتا ہے اور یہ اللہ کے اذن سے قیامت کی گھڑی کے آنے تک چلتا ہے یعنی جاری ہے اور یہاں تک کہ اللہ کے حکم سے قیامت کی گھڑی آجائے اور قیامت کبریٰ آجائے، یہ مرحلہ جو عالَم برزخ ہے فرق کرتا ہے اپنی طبیعی حالت کے اعتبار سے ایک انسان سے دوسرے انسان کے درمیان۔ اس اعتبار سے کہ اس انسان نے جو اس میں زندہ ہے زندگی گزاری ہے تو ہمارے بابا آدم اور ہماری اماں حوا علیہا السلام مثلاً جب اُن دونوں کو موت آئی ہے اس وقت سے وہ عالَم برزخ میں ہیں اور اس وقت تک بھی وہیں عالَم برزخ میں ہیں اور وہیں پر رہیں گے قیامت کی گھڑی کے آنے تک۔ تو اُن کے عالَم برزخ میں ٹھہرنے کا عرصہ بہت لمبا ہے، اُس سے جو ہم میں سے کسی ایک کے ٹھہرنے کا عرصہ ہو گا لیکن سب کا جو انجام ہے یا اُنہوں نے جہاں جانا ہے وہ یہی ہے۔ جو بھی مرے ہیں اور جو بعد میں مریں گے وہ سب عالَم برزخ میں جائیں گے، یہ عالَم جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کب تک ہو گا، کتنا زمانہ اس کا ہے، کتنا عرصہ ہے؟ تو قیامت کے وقت کا علم نہیں ہے مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو، اسی طرح اس کا بھی نہیں پتہ سوائے اللہ کی ذات کے کہ عالَم برزخ میں مرنے والوں نے کتنا عرصہ رہنا ہے؟

برزخ عربی زبان میں اُس رُکاوٹ کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان ہو یعنی جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہوتا ہے دو چیزوں کے درمیان ایک رُکاوٹ آتی ہے۔ عالَم برزخ رُکاوٹ ہے اُن کے درمیان جو دُنیا سے منتقل ہوئے ہیں اور اُن کے درمیان جنہوں نے آخرت میں ہونا ہے۔ یعنی یہ لوگ جو مرنے والے ہیں اور آخرت؛ اُس کے درمیانی حصہ کو برزخ کہتے ہیں اور اُس میں اللہ کے اِذن کا انتظار ہے قیامت کبریٰ کے بارے میں۔ سب انسان حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کے آنے تک ہر طرف سے اُس کو گھیر رکھا ہے یعنی کسی کے لیے یہ موقع نہیں کہ وہ اذنِ الٰہی کے آنے سے پہلے عالم آخرت کی طرف منتقل ہو جائے اور ان کے لیے یہ بھی امکان نہیں ہے کہ وہ دُنیا کی طرف واپس آجائیں مگر یہ کہ اللہ کا اذن ہو۔ تو پس یہ مرحلہ دُنیا و آخرت کے درمیان کا ہے اور دُنیا و آخرت میں حائل و رُکاوٹ ہے۔

برزخ کے بعد کا مرحلہ

برزخ کے بعد دوسرا مرحلہ آئے گا، وہ قیامت کبریٰ کا مرحلہ ہے یہاں سے منتقل ہونا ہے اَبدی اور سرمدی عالَم کی جانب جو اُس وقت شروع ہو گا جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ پلٹائے گا اس وجودی کائنات کو اور اس مخلوق کو اور لوگوں کو، وہ سب اُس کو دیکھیں گے جو اُنہوں نے قرآن کی آیات میں قیامت کے مناظر کو پڑھا ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ [8]۔

ترجمہ: ’’یہ (انتقام) اس دن ہو گا جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب خدائے واحد و قہار کے سامنے پیش ہوں گے۔‘‘

---

[8] سورۂ ابراہیم، آیت: ۴۸۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ساری مخلوقات کو زندہ کرے گا اور اُنہیں صحراء محشر میں احتساب کے لیے لائے گا اور یہاں سے قیامت کے بڑے واقعات شروع ہوں گے۔

عالم برزخ کی موجودگی پر استدلال

علماء و مفسرین نے قرآن مجید کی آیات کی بنیاد پر برزخ کے بارے میں دلیل قائم کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ، لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ، فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ[9]۔

ترجمہ: ”(یہ غفلت میں پڑے ہیں) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آلے گی تو وہ کہے گا: میرے رب! مجھے واپس دُنیا میں بھیج دے، جس دُنیا کو چھوڑ کر آیا ہوں شاید اس میں عمل صالح بجالاؤں، ہرگز نہیں!، یہ تو وہ جملہ ہے جسے وہ کہہ دے گا اور ان کے پیچھے اُٹھائے جانے کے دن تک ایک برزخ حائل ہے۔ پھر جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو اُن میں اُس دن نہ کوئی رشتہ داری رہے گی اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔“

یہ آیات یہاں پر اُس نزع (رُوح کھینچے جانے کی حالت) سے دوچار ہوگا دیکھ رہا ہوگا سمجھ رہا ہوگا کہ اُس کی رُوح اُس کے جسم سے کھینچی جارہی ہے اور وہ منتقل ہونے کے مرحلے میں آگیا ہے اور دُنیا کو چھوڑ رہا ہے۔ اس وقت وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے کہے گا اے میرے رب مجھے واپس لوٹا دے۔ اس مرحلہ میں انسان آنے

---

[9] سورۃ المومنون، آیت: ۹۹ تا ۱۰۱۔

والے خطرے کو محسوس کرے گا اور یہ جان لے گا کہ زندگی ختم ہو گئی اور عمل کی جو فرصت تھی وہ بھی ہاتھ سے چلی گئی اور یہ ابھی ایک اور گھر کی طرف منتقل ہو رہا ہے اور وہ اپنے احتضار (مرنے کی حالت) کو دیکھے گا اور اپنی رُوح کے کھینچے جانے کے عمل کا بھی مشاہد کرے گا اور اُس کے سامنے دوسرے عالَم کے حقائق ظاہر ہوں گے جیسا کہ روایات میں ہے فرشتوں کے بارے میں اور فرشتوں کے علاوہ تو وہ اس میں محسوس کرے گا کہ حتمی قدر واقع ہو گئی ہے اور اس وقت وہ توسل کرے گا واسطہ دے گا کہ اُسے واپسی کا موقع مل جائے، یہ سب کچھ آخرت کے مرحلے سے پہلے ہے اور یہ جنت یا جہنم میں داخل ہونے سے بھی پہلے کا مرحلہ ہے بلکہ یہ شروع ہو جاتا ہے جب احتضار کی حالت ہوتی ہے یعنی رُوح قبض کرنے کی جب حالت ہوتی ہے۔ تو وہ کہتا ہے:

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ ۔۔۔[10]

ترجمہ: "۔۔۔تو وہ کہے گا: میرے رب! مجھے واپس دنیا میں بھیج دے، جس دنیا کو چھوڑ کر آیا ہوں شاید اس میں عمل صالح بجالاؤں۔۔۔"

تو اُسی وقت اسے جواب مل جاتا ہے: كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ، یعنی انسان اپنی موت کے لحظہ سے ہی یہ کہے گا اور اُس وقت اُسے جواب ملے گا کہ اب واپسی نہیں ہے اور ایک خاص عالَم میں اُس کو جب اُٹھانے کا وقت آئے گا، اب یہ برزخی مرحلہ ہے: فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ[11]۔ ترجمہ: " پھر جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو

[10] سورۃ المومنون، آیات: ۹۹ تا ۱۰۰۔

[11] سورۃ المومنون، آیت: ۱۰۱۔

ان میں اس دن نہ کوئی رشتہ داری رہے گی اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔"جب حساب کے لیے بلایا جائے گا تو سب صحراء المحشر کی طرف دوڑیں گے وہیں سب اکٹھے ہوں گے۔

تو انسان موت کے مرحلے سے گزرے اور پھر احتساب کے مرحلے کے لیے اُسے اٹھایا جائے یہ مرحلہ انتقالی ہے جو موت کے بعد ہے وہ برزخ کا مرحلہ ہے اور جو آیات گزری ہیں وہ وضاحت سے اس معنی کو بیان کر رہی ہیں۔ اس کے ساتھ مزید یہ بات بہت ساری روایات میں آئی ہیں جو اس عالم کے متعلق تفصیلات کو بیان کرتی ہیں اور کچھ اور آیات بھی ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم اُن کو یہاں بیان نہیں کرتے؛ ہم فقط اس موضوع کی جو بنیادی چیزیں ہیں اُسی پر اپنی بات کو مرکوز کرتے ہیں۔

عالم برزخ کے مراحل بارے تفصیل

ہمارے پاس جو اعتقادی مسئلہ ثابت ہے شروع میں ہم اُس کی طرف اشارہ کرتے ہیں، بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سارے مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے بہت تھوڑے ہیں جو ایک مخصوص رائے والے لوگ ہیں، اس اجماعی مسئلے کا جو مضمون ہے جو اس سے بات سمجھی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ میت کے لیے جب اُس کو قبر میں دفن کر دے گا تو اللہ تعالیٰ باعزت کرامت والے فرشتوں[12] کو اس

[12] روایات کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کو جب قبر میں اُتار دیا جائے گا تو دو فرشتے آئیں گے جو اُس سے اُس کے رب کے بارے میں اس کے دین کے بارے میں، اُس کے نبی کے بارے میں اور اُس کی جو عقائدی زندگی تھی اس کے حوالے سے اجمالی طور پر، اور جو عمل کرتا تھا اس بارے سوال ہو گا۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے اُن دونوں فرشتوں کا نام منکر اور نکیر ہے۔ امام سجاد علیہ السلام نے ایک وعظ و نصیحت میں فرمایا: "كأن قد أوفيتَ أجلَكَ ، وقبض المَلَكُ روحَكَ، و صرت الى منزل وحيدًا، فرُدَّ اليك فيه

روحُكَ، واقتحم عليك فيه ملكاكَ منكرٌ و نكير لمساء لتك، و شديد امتحانك۔ ألا و ان أول ما یسألانك عن ربّك الذی کنتَ تعبده، وعن نبیّك الذی أُرسل الیك، وعن دینك الذی کنتَ تدین به، و عن کتابك الذی کنتَ تتلوه، وعن امامك الذی کنتَ تتولاّه۔ ثم عن عمرك فیما أفنیتَهُ، ومالك من أین اکتسبتَه وفیمإ أتلفتَه، فخذ حِذرَك وانظر لنفسك، وأعِدّ للجواب قبل الامتحان والمساءلة والاختبار۔ (میزان الحکمۃ، الجزء ۸، صفحہ ۳۲۷۸، حدیث: ۱۶۲۵۹)۔ ترجمہ: ''امام سجاد علیہ السلام نے وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا ہے کہ تم اپنی عمر پوری کر چکے اور فرشتے نے تمہاری رُوح قبض کر لی اور تم ایسے گھر میں گئے جہاں اکیلے ہو اور پھر اُس میں تمہاری رُوح کو پلٹایا گیا ہے اور تیرے اوپر اُسی قبر میں دو فرشتے آئے ہیں منکر و نکیر، تجھ سے سوال کرنے کے لیے اور تیرا سخت امتحان لینے کے لیے اور وہ دونوں تجھ سے پہلا سوال کریں گے وہ تیرے رب کے متعلق ہوگا جس کی تو عبادت کرتا تھا اور تیرے نبی کے متعلق ہوگا جو نبی تیری طرف بھیجا گیا تھا اور تیرے دین کے متعلق ہوگا جس دین پر تو چلتا تھا اور تیری کتاب کے متعلق ہوگا جس کو تو پڑھتا تھا جس کی تلاوت کرتا تھا، تجھ سے تیرے امام کا سوال ہوگا جس کی تو ولایت رکھتا تھا، اور تجھ سے تیری عمر کا سوال ہوگا کہ کہاں تو نے اسے گزارا ہے اور تیرے مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے تو نے کمایا ہے اور کہاں اُسے تو نے لگایا ہے۔ پس چوکنے ہو جاؤ اور اپنے بارے سوچ لو اور امتحان اور سوال اور آزمائش سے پہلے جواب تیار کر لو۔''

امام صادق علیہ السلام سے ہے کہ: اذا مات المؤمن شیّعة سبعون ألف ملكٍ الی قبره، فاذا أُدخل قبره أتاه منکرٌ و نکیر فیُقعدانه و یقولان له: من ربّك؟ وما دینك؟ ومن نبیّك؟ فیقول: ربی الله، و محمد ﷺ نبیّی، والاسلام دینی، فیفسحان له فی قبره مدَّ بصر، و یأتیانه بالطعام ن الجنة ویُدخلان علیه الرَّوح والریحان۔ (امالی الصدوقؒ، مجلس: ۴۸، حدیث ۱۲)۔ ترجمہ: ''امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب مومن مرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اُس کی قبر تک اس کے پیچھے چلتے ہیں، جب قبر میں اُس کو داخل کر دیا جاتا ہے تو منکر و نکیر آتے ہیں اور اُس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور اُس کے لیے کہتے ہیں: کون ہے تیرا رب؟ دین تیرا کیا ہے؟ کون تیرا نبی ہے؟ تو جواب میں کہتا ہے: اللہ میرا رب ہے، محمدؐ میرے نبی ہیں اور اسلام میرا دین ہے۔ تو وہ اس کے لیے اس کی قبر میں جہاں تک نگاہ جاتی ہے اُسے کھلا کر دیتے ہیں اور اُس کے لیے جنت سے کھانا لایا جاتا ہے اور اُس کے اوپر آرام اور سکون پھیلا دیا جاتا ہے۔''

کے لیے بھیجے گا جو اُس سے کچھ بنیادی سوالات کریں گے۔ اس میت سے پوچھیں گے تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ اگر اُس نے صحیح جواب دیا اور اُس کا جواب دُنیا میں صالحین والا ہے کہ وہ نیک اعمال کرتا تھا جوابات ان اعمال کی روشنی میں ہیں تو جیسا کہ روایات میں ہے وہ اسے نعمت پر مامور فرشتوں کے سپرد کر دیں گے لیکن اگر وہ جواب دینے میں لڑکھڑایا یا صحیح جواب نہ دے پایا یا ایسا جواب دیا جس سے اُس کی دنیا کی بری حالت ظاہر ہوئی تو وہ اُسے عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیں گے اور پھر اُس پر قبر[13] میں جو کیفیت گزرے گی۔ یہ جو

اور یہ جو تحدید ہے کہ جو بندے سے قبر میں سوال کیا جائے گا تو امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: یُسأل البیت فی قبرہ عن خمس: عن صلاته وزكاته وحجّه وصيامه وولايته، ايّانا أهل البيت، فتقول الولاية من جانب القبر لأربع: ما دخل فيكنّ من نقص فعليّ تمامه۔ (الکافی، الکتاب "الجنائز" باب "المسألة فی القبر ومن یُسأل ومن لا یُسأل" حدیث: ۱۵) ترجمہ: "جو میت سے قبر میں سوال ہو گا وہ پانچ چیزوں کے بارے میں ہو گا، اس کی نماز کے بارے، زکوۃ کے بارے، حج کے بارے، روزہ کے بارے اور بالخصوص ہم اہل البیت علیہم السلام کی ولایت کے متعلق۔
ولایت قبر میں موجود ہو گی اور ان چار کے لیے کہے گی کہ تمہارے میں جو کمی رہ گئی تو اُس کو پورا کرنا میرے اُوپر ہے۔" جو کچھ دوسری روایات میں بھی آیا ہے اُس میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ میت سے جو سوال کیے جائیں گے وہ اس روایت میں جو چند سوال ہیں اُسی میں محدود نہیں بلکہ روایات ہے میت سے پوچھا جائے گا اُس کے رب کے متعلق، اُس کے دین کے متعلق، اُس کے نبی کے متعلق۔ واللہ العالم۔
پھر یہ بات ذہن میں رہے کہ جو میت سے اُس کی قبر میں سوال کے بارے میں ہے تو وہ بہت زیادہ ہے کہ ساری روایات کو یہاں ممکن نہیں کہ لکھا جائے یا بتایا جائے۔ جو چند روایات بتائی گئی ہیں انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

[13] جو تفصیلات آئی ہیں تو وہ ایک روایت سے دوسری روایت سے فرق کرتی ہیں مگر جو عمومی طور پر ایک بات سمجھ آتی ہے اور وہ تفصیل بھی آئی ہے وہ امام صادق علیہ السلام کی روایت ہے کہ جس میں یہ ہے کہ: يجئ الملكان منكرٌ و نكير الى الميت حين يُدفن، أصواتهما كالرعد القاصف وأبصارهما كالبرق الخاطف

يخُطان الأرضَ بأنيابهما و يَطّآن فى شعورهما، فيَسألان الميت: مَن ربك وما دينك؟ قال فاذا كان مؤمناً قال الله ربى و دينى الاسلام، فيقولان له ما تقول فى هذا الرجل الذى خرج بين ظَهرانيكم؟ فيقول أعن محمد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم تسألانى؟ فيقولان له تشهد أنه رسول الله؟ فيقول أشهد أنه رسول الله، فيقولان له نَم نَومَةً لا حلم فيها، و يُفسَح له فى قبره تسعة أذرع و يُفتَح له باب الى الجنة ويرى مقعده فيها، و اذا كان الرجل كافراً دخلا عليه وأُقيم الشيطان بين يديه، عيناه من نحاس، فيقولان له من ربّك وما دينك وما تقول فى هذا الرجل الى قد خرج من بين ظَهرانيكم؟ فيقول لا أردى فيُخَلّيان بينَه و بَين الشيطان فيُسَلَّط عليه فى قبره تسعة و تسعين تنيناً لو أن تنيناً واحدًا منها نفخ فى الأرخ ما أنبتت شجرًا أبدًا و يُفتَح له باب الىٰ النار و يرى مقعده فيها۔ (الکافی، کتاب: الجنائز" باب: "المسألة فى القبرو من يُسأل ومن لا يُسأل"، حدیث: ۷) ترجمہ: "امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو دو فرشتے منکر و نکیر آتے ہیں اور ان کی آوازیں تیز بجلی کڑکتی کی طرح ہوں گی ان کی آنکھیں چندھیا دینے والی بجلی کی طرح ہوں گی اور زمین کو وہ اپنے تیز دانتوں سے لکیر لگائے جا رہے ہوں گے اور اپنے بالوں سے اُسے روند رہے ہوں گے اور وہ میت سے پوچھیں گے تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تو اگر مومن ہو گا تو کہے گا میرا رب اللہ ہے میرا دین اسلام ہے۔ تو وہ کہیں گے کہ وہ آدمی جو تمہارے پیچھے آیا تمہارے پاس وہ کون ہے؟ تو وہ کہے گا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو؟ تو وہ کہیں گے: اُس کے لیے کیا تو گواہی دیتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ تو وہ کہے گا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ تو وہ کہیں گے: سو جاؤ ایسی نیند کہ جس میں خیال بھی نہیں ہے اور اس کی قبر نو ہاتھ کھول دی جائے گی اور اُس کے لیے جنت کا دروازہ کھلے گا اور وہ اپنا ٹھکانہ وہاں دیکھے گا اور اگر بندہ کافر ہوا تو اُس پر دونوں فرشتے آئیں گے شیطان ان کے سامنے کھڑا ہو گا اور اُس سے پوچھیں گے تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور اُس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تمہارے درمیان آیا؟ تو وہ کہے گا کہ میں نہیں جانتا تو اُس کے اور اس شیطان کے درمیان اسے چھوڑ دیں گے اور اس کی قبر میں ننانوے "تنین" ڈال دی جائے گی، تنین ایک اگر زمین میں ڈالی جائے تو زمین سے کوئی شجر بھی کبھی نہیں اُگے گا اور اس کے لیے جہنم کا دروازہ کھلے گا اور وہ جہنم میں اپنی جگہ دیکھے گا۔" امام باقر علیہ السلام کا قول ہے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا پوچھا جائے گا قبر میں تو آپؑ نے فرمایا: عن الحجّة القائمة بين أظهُرِكُم فيُقال للمؤمن ما تقول فى فلان بن فلان فيقول ذاك امامى فيُقال نَم أنامَ الله عينكَ، و يُفتَح له باب من الجنة

قبر میں سوال کا سلسلہ ہے بہت ہی ایک مشکل اور بڑا تکلیف دہ مرحلہ ہو گا اور یہی حتمی انجام کے لیے بنیاد بنے گا۔

اسی کے ساتھ ہی اُس کے لیے ہو گا کہ وہ کس صورت میں ہے۔ نعمت میں یا، قطع نظر اس کے کہ اس کی شکلیں کیا ہیں تفصیلات کیا ہیں، برزخ میں اس کے عناوین کیا ہیں؟ یا بد بختی ہو گی عذاب ہو گا، ذلت ہو گی۔ اب اس کا حجم کیا ہے تفصیلات کیا ہیں عالم برزخ میں، سب کچھ روایات میں آیا ہے۔

تو یہ وہ انسان ہے جو سختی کے حوالے سے بہت مشکل مرحلے میں ہو گا، خوف ہو گا، اور قبر میں جو پہلی گھڑیاں و ایام ہوں گے وہ بہت مشکل ہوں گے، وہاں پر انسان ایسے ہے جیسے ہم میں سے کوئی ایک شہر سے دوسرے شہر جاتا ہے، ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جاتا ہے تو جب ماحول تبدیل ہوتا ہے، رہائش بدلتی ہے، ہمسائے بدلتے ہیں تو کافی عرصہ وہ ایک پریشانی اور وحشت محسوس کرتا ہے اور اس جگہ سے مانوس نہیں ہوتا اور پھر آہستہ آہستہ اس جگہ سے مانوس ہوتا جاتا ہے، اب ذرا سوچیں کہ وہ لمحہ کیسا ہو گا کہ جب ہم میں سے کوئی ایک شخص اس دنیا سے نکل کر

فما یزال یُتحِفُه من رُوحِها الی یوم القیامة، و یُقال للکافر ما تقول فی فلان بن فلان قال فیقول قد سمعت به وما أدری ما هو فیُقال له لا دَرَیتَ، قال و یَفتَح له باب من النار فلا یزال یُتحفه من حرّها الیٰ یوم القیامة۔ (الکافی، کتاب: الجنائز" باب: "المسألة فی القبر و من یُسأل و من لا یُسأل"، حدیث: ٨) ترجمہ: "قبر میں حجت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تمہارے درمیان موجود تھی تو مومن کہے گا کہ فلاں ابن فلاں، وہ تو میرے امام ہیں۔ تو کہا جائے گا کہ اللہ آپ کو نیند دے دے سو جاؤ اور آرام کرو۔ اس کے لیے جنت کا دروازہ کھلے گا اور وہاں سے قیامت تک اسے آرام و سکون ملتا رہے گا، کافر کے لیے کہا جائے گا کہ فلاں ابن فلاں کے بارے میں کیا کہتے ہو تو وہ کہے گا کہ میں نے سنا تو ہے مگر مجھے پتہ نہیں ہے۔ تو اس کے لیے کہا جائے گا کہ اس کے دروازہ کھل جائے گا جہنم گا اور وہیں سے اسے گرمی قیامت تک پہنچتی رہے گی۔" اور اس کے علاوہ بہت ساری روایات ہیں۔

اس گھر میں جائے اور وہاں خوف ، ڈر اور تنہائی میں دیکھے جو شروع ہو رہا ہے جب رُوح اس کے جسم سے کھینچی جارہی تھی، احتضار کا مرحلہ تھا اور وہ اس نئے گھر میں منتقل ہوا اور وہ ناموس جگہ ہے، وہ ایک نیا گھر ہے انبیاء، آئمہ اور بڑے بڑے علماء، صالحین جب وہ اس مرحلے کو یاد کرتے تھے تو روتے تھے اور جب وہ لمحات اور لحظات اُن کے سامنے آتے تو وہ ان کا خطرہ محسوس کرتے اور پریشان ہوتے تھے۔

قبر کی طرف منتقل ہونا وہ بھی ایسی جگہ سے جو ایک کھلی فضاء میں ہے اور وہاں پر کھلے کمروں میں رہا ہے، آرام میں رہا ہے تو وہاں سے ایک تنگ گڑھے میں جاتا ہے جس کو امیر المومنین علیہ السلام اس طرح بیان کرتے ہیں: وَ حُفْرَةٌ لَوْ زِيدَ فِي فُسحَتِهَا، وَأَوسَعَت يَدَا حَافِرِهَا، لَأَضغَطَهَا الحَجَرُ وَالمَدَرُ، وَسَدَّ فُرَجَهَا التُّرَابُ المُتَرَاكِمُ[14]۔ ترجمہ: ''ایسا گڑھا ہے اگر اس کو وسیع کرنے میں کچھ بڑھایا جائے تو اُس کا جو کھودنے والا ہے اُس کا ہاتھ اسے کچھ وسعت دے تو پتھر اور ریت اس کو تنگ کر دیتے ہیں اور مٹی ادھر اُدھر سے گر رہی ہوتی ہے اس کے سوراخوں کو بھر دیتی ہے۔'' تو اس جگہ سے منتقل ہونا ہے تنہائی کے گھر میں، وحشت کے گھر میں، خوفناک جگہ پر؛ ایسا گھر ہے جس میں کیڑے ہیں، پریشانی ہے، خوف ہے اور وہاں انسان اکیلا ہو گا، اجنبی ہو گا، ایسا ہو گا جس کو تنہاء چھوڑ دیا گیا ہو کوئی اس کا مددگار نہیں ہو گا، کوئی غمخوار نہیں ہو گا، کوئی اُس کی بات کو سنتا نہیں اگر بولے تو، کسی عمل کرنے پر اُسے قدرت نہیں، اگر وہ کوئی عمل کرے جو اس کی حالت کو بدل دے اور اس کے برے حال کو اچھے میں بدل دے تو ایسا نہیں کر سکتا وہ ایسا گھر ہے جس میں ہر حوالے سے عاجزی ہے، فقر مطلق ہے یہ سب کچھ اس کی قبر میں ہونا ہے جہاں وہ اُترا ہے۔

---

[14] نہج البلاغہ، باب: ''کتبہ و رسائلہ وعھودہ ووصایاہ'' الکتاب شمارہ نمبر ۴۵، من کتاب لہ علیہ السلام الی عثمان بن حنیف الانصاری۔

یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عالَم جو کشف کرتا ہے اُس کی حقیقت کو، کیونکہ انسان دُنیا میں تو بدگمانی کرتا ہے اپنے آپ کو قدرت مند سمجھتا ہے، دولت مند سمجھتا ہے، وسعت والا سمجھتا ہے، حالانکہ وہ فقیر ہے، جاہل ہے، عاجز ہے اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا اس پر احسان نہ ہو کہ اللہ اسے علم دیتا ہے، مال دیتا ہے، عزت دیتا ہے۔ یہاں پھر سارے حقائق کھل جاتے ہیں اور انسان کی عاجزی سامنے آجاتی ہے، اس کا فقر، اس کا جہل اس کی کمزوری اور ناتوانی واضح ہوتی ہے۔

اور اس میں مزید جو بیان ہوا ہے اس میں شامل کر لو کہ جو روایات میں آیا ہے کہ پہلے دنوں میں قبر میں ایک دباؤ آئے گا یا پہلی گھڑیاں جب انسان کو قبر میں اُتارا جائے گا اور جب قبر کی دیواریں ایک دوسرے کے ساتھ ملیں گی اور اس کو بھینچ دیں گی مگر بہت تھوڑے جیسا کہ روایات[15] میں آیا ہے۔ سنی اور شیعہ اور عام مسلمانوں کے ہاں یہ بات موجود ہے یہ وہ مسائل ہیں جن میں غور کرنا چاہیے، اس میں بصیرت

---

[15] وضغطة القبر، یا ضمّة القبر، یعنی قبر میں دیواروں کا ایک دوسرے کے ساتھ ملنا۔ بعض روایات میں ہے اور شریعت اسلامیہ میں یہ باتیں طے شدہ ہیں اور بہت ساروں نے اس کو لکھا ہے کہ بہت تھوڑا گروہ ہوگا جو اس سے بچے گا۔ اہل عصمت اطہار علیہم السلام نے اس حوالے سے بہت کچھ بیان کیا ہے امام صادق علیہ السلام سے قول ہے کہ انسان کا قبر میں کیسے حساب ہوگا : یُسأل وھو مضغوط۔ (الکافی، الکتاب ”الجنائز“ باب ”المسألة فی القبر ومن یُسأل ومن لا یُسأل“ حدیث: ۵)، ترجمہ: ”سوال کیا جائے گا جبکہ وہ مضغوط ہوگا یعنی اُس پر چاروں طرف سے دباؤ ہوگا۔“ ایک جواب میں آپ نے فرمایا جب سائل نے پوچھا: أیُفلت من ضغطة القبر احد؟ ”کیا یہ قبر کے بھینچ جانے سے کوئی ایک بچے گا؟“ تو آپ نے فرمایا: نعوذ باللہ منھا ما أقلّ یُفلِتُ من ضغطة القبر۔ ترجمہ: ”اللہ کی پناہ لیتے ہیں کہ جو اس قبر کے بھینچنے سے بچ جائے۔“

(الکافی، الکتاب ”الجنائز“ باب ”المسألة فی القبر ومن یُسأل ومن لا یُسأل“ حدیث: ۶)

حاصل کرنی چاہیے ، اُس سے چوکنا رہیں اور اس بارے خبردار ہوں۔ آیت میں آیا ہے: يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ[16]۔ ترجمہ: ''آخرت سے چوکنے رہو''۔

قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے بلکہ وہ اس کی منزلوں سے پہلی منزل ہے۔ پھر فرشتوں کے آنے کے بعد، انسان سے پوچھنے کے بعد، پھر اُس کو چھوڑ دیا جائے گا یا وہ بد بختوں سے ہے یا نعمات اور خوشحالوں سے ہوگا اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے بعد وہ انسان کہاں جائیں گے؟ اس حوالے سے علمی ابحاث بھی ہیں فلسفی آراء اور عقائد کی ابحاث بھی ہیں، قرآنی ابحاث بھی ہیں، تنگیٔ وقت کی وجہ اور موقیعت کی محدودیت کی وجہ سے ہم سب کو یہاں نہیں بیان کرتے۔ ہم یہاں پر وہ کچھ بیان کرتے ہیں جو یقینی بھی ہے اور سب میں وہ بات مشترک بھی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور اُس کے لیے قرآنی آیات دلیل ہیں اور صحیح روایات بھی۔

عالم برزخ میں مخلوقات کی اقسام

جو عمومی دلائل ہیں اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں جو لوگ ہوں گے وہ کئی گروہوں میں ہوں گے:

۱۔ پہلا گروہ وہ ہوگا جو عذاب میں ہوں گے اور انہیں کسی قسم کی نعمت وہاں نہیں ملے گی۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو بڑے خوشحال ہوں گے نعمات میں ہوں گے۔

۳۔ تیسرا گروہ ان دونوں کے درمیان ہوگا۔

اب ان تینوں گروہوں کے بارے میں ہم تھوڑا تھوڑا بتاتے ہیں۔

---

[16] سورۂ الزمر، آیت: ۹۔

عالم برزخ میں عذاب جھیلنے والے

پہلا گروہ؛ جیسے ہی اس دنیا سے عالَم برزخ میں منتقل ہوں گے تو فرشتے اُن کے ساتھ سختی کریں گے، اُن کی اہانت کریں گے، اُن کو اذیت اور عذاب دیں گے جس کی مختلف شکلیں ہوں گی، یہ کون لوگ ہیں؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ جس میں اس عذاب کی تفصیل موجود ہے جو پہلے گروہ کو ملنا ہے۔ قرآن میں نبی اللہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی گفتگو تفصیل سے ہے؛ اس گفتگو میں اس گروہ کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے فرمایا: فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ[17]۔ ترجمہ: "پس اللہ نے اس (مومن) کو ان کی بری چالوں سے بچایا اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔" پھر اللہ تعالیٰ نے سوء العذاب کی تفصیل اس کے ساتھ لگائی ہے اس کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں آیا ہے: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا[18]۔ ترجمہ: "وہ لوگ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔"

دوسرے حصے میں قول ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ[19]۔

ترجمہ: "اور جس دن قیامت برپا ہو گی (تو حکم ہو گا) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔"

---

[17] سورۂ غافر، آیت: ۴۵۔

[18] سورۂ غافر، آیت: ۴۶۔

[19] سورۂ غافر، آیت: ۴۶۔

تو پہلی شق اس طرح ہے کہ عالَم برزخ میں اُن کو آگ پر پیش کیا جائے گا۔ دوسری شق میں ہے کہ وہ قیامت کے دن آگ میں داخل ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عذاب ہی میں ہیں عذاب سے وہ باہر نہیں۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ پہلی شق میں کس طرح پتہ چلے کہ یہ عذاب برزخ کا ہے؟ اس بارے میں مفسرین اور علماء نے جواب دیا ہے کہ پہلا قرینہ تو یہ ہے کہ آیت میں آیا ہے کہ صبح و شام، جبکہ معلوم ہے کہ قیامت جب آئے گی تو جہنم میں تو وہ ہمیشہ ہیں، اس میں نہ صبح ہے نہ شام ہے؛ یہاں کہا جارہا ہے کہ آگ اُن کے اُوپر صبح اور شام پیش کی جائے گی۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آخرت والی جہنم کی طرف جانے سے پہلے ہو گا۔

دوسری علامت اس طرح ہے کہ اللہ کا قول ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ یہ تو بڑا واضح ہے کہ جب قیامت ہو گی تو اُس وقت انہیں سخت ترین عذاب میں داخل کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ:

جو پہلا عذاب ہے وہ قیامت سے پہلے ہے قیامت بعد میں آنی ہے اور لہٰذا جو صبح و شام آگ اُن پر آنی ہے تو یہ قیامت آنے سے پہلے ہے۔ پس صبح و شام ان پر آگ آئے گی اور یہ قیامت سے پہلے ہو گی اور جب قیامت آئے گی تو اللہ فرمارہا ہے: اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔

اب یہ اس طرح پلٹتے ہیں کہ یہ کون سا گروہ ہے۔ پہلا گروہ فرعون نہیں ہے اس میں آیا ہے کہ فرعونی، نمرودی، سرکش، طواغیت ہر زمانے کے شامل ہوں

گے اُن میں ابو جہل[20]، ابو لہب[21] اور قریش کے بڑے بڑے جو سردار تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی جیسا کہ روایات میں آیا ہے: کہ اُن سب کو یہ عذاب شامل ہے کہ جن کا کفر خالص تھا ان کا محض کفر تھا اور جو خالص سرکش اور ظالم اور جابر تھے، اور اُن کا ظلم خالص[22] اور اس میں کوئی کمی و بیشی نہیں تھی، اور

[20] اس سے مراد عمرو بن ھاشم بن المغیرۃ جو کنانہ قبیلہ سے تھا اور قریش کے سرداروں میں سے بڑا سردار تھا اور اسلام کے ظہور سے قبل موجود تھا اور اُس نے واضح طور اسلام کو ٹھکرایا بلکہ نبی پاک ﷺ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا اور اُس کی اصل کنیت ابوالحکم تھی لیکن رسول اللہ ﷺ اسے ابو جہل کے نام سے پکارتے تھے کیونکہ اُس نے ایک بوڑھی عورت کو مار دیا اس وجہ سے کہ اُس بوڑھی عورت نے اسلام کو اعلانیہ طور پر قبول کر لیا تھا۔

[21] اس سے مراد عبد العزی بن عبد المطلب ہے۔ نبی حضرت محمد ﷺ کا چچا تھا، اس کی اصل کنیت ابو عتبہ تھی اور عتبہ اس کا بڑا بیٹا تھا لیکن اس کا باپ عبد المطلب تھا، انہوں نے اس کو ابولھب کا نام دیا کیونکہ اس کی پیشانی پر ایک نشان تھا جو روشن و چمکتا تھا۔
پہلا شخص جس نے اسلام کے ساتھ دُشمنی کا اظہار کیا وہ یہ ہی شخص تھا جب نبی پاک ﷺ نے اسلام کے لیے دعوت دی تو قرآن مجید نے سورہ المسد میں یہ فرمایا: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (سورۃ المسد، آیت: ۱تا۵) ترجمہ: ''ہلاکت میں جائے ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ تباہ ہو جائے، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں جھلسے گا اور اس کی بیوی بھی، ایندھن اٹھائے پھرنے والی، اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہے۔''

[22] وہ جو پہلا گروہ ہے اُس کے بارے میں روایات میں آیا ہے اہل البیت علیہم السلام سے کہ جب دو فرشتے قبر میں آئیں گے اور سوال کریں گے اور پہلے بھی یہ روایات بیان کی ہیں تو اُس میں جو سوال ہونا ہے دو گروہوں سے، دو اصناف ہیں، ان میں وہ جن کا خالص ایمان ہے اور وہ جن کا خالص کفر ہے۔ اور یہ پہلے گروہ ہیں جن کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابو عبد اللہ امام الصادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: لا يُسأَلُ في القبر الا من مَحَضَ الايمان مَحضاً أو مَحَضَ الكفر مَحضاً والآخرون يُلهَونَ عنهم۔ (الکافی، الکتاب ''الجنائز'' باب: ''المسألة في القبر ومن يُسأل ومن لا يُسأل'' حدیث: ۱)۔ ترجمہ:

مرنے کے بعد ان کو کوئی آرام نہیں ملے گا کیونکہ انہوں نے جنت کی بجائے دُنیا کا انتخاب کیا تھا۔

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ”دُنیا میں محل کے مالک، نعمات کے مالک، زمینوں کے مالک، سپاہیوں اور محافظین کے مالک، لوگوں کے مالک، کھانا، پینا، دوسروں کو اپنے اموال میں شامل نہ کرنا، دوسرے کے مال کھانا، خواہشات سے خود کو بھرنا، بری خواہشات پوری کرنا اور یہ سب کچھ جو دُنیا میں مزے لے رہے تھے یہ سب ختم ہو جائے گا اور جیسے ہی حالتِ نزع ہو گی رُوح کے جسم سے نکلنے کا وقت آئے گا تو اُسی وقت وہ عذاب میں پہنچ جائے گا اور اُسی وقت اسے ذلت اٹھانا پڑے گی، اہانت اٹھانا پڑے گی، بد بختی اُس کے لیے ہو گی۔“

آیت سے چند مسائل سمجھے جاسکتے ہیں

ایک بات تو یہ ہے کہ آیت ایک درمیانی مرحلے کے ہونے کی بات کر رہی ہے اور وہ برزخ کا مرحلہ ہے اور یہ بھی بتا رہی ہے کہ اس عالم میں زندگی ہو گی کیونکہ

”قبر میں سوال نہیں کیا جائے گا مگر اُن سے جن کا ایمان خالص ہو گا اور جن کا کفر خالص ہو گا اور دوسروں کو چھوڑ دیا جائے گا نظر انداز کیا جائے گا۔“ اور امام صادق علیہ السلام سے یہ بھی روایت ہوئی ہے کہ: انما يُسألُ فی قبره مَن مَحَضَ الايمان مَحضاً والكفر مَحضاٍ وأما ما سوى ذلك فيلهى عنهم (الکافی، الکتاب ”الجنائز“ باب: ”المسألة فی القبر ومن يُسأل ومن لا يُسأل“ حدیث: ۲)۔ ترجمہ: ”قبر سے جو سوال ہو گا جن کا خالص ایمان ہو گا اور جن کا خالص کفر ہو گا اور ان کے علاوہ اُن کو چھوڑ دیا جائے گا۔“ امام محمد باقر علیہ السلام سے ہے کہ:: انما يُسألُ فی قبره مَن مَحَضَ الايمان مَحضاً والكفر مَحضاٍ وأما ما سوى ذلك فيُلهى عنه۔ (الکافی، الکتاب ”الجنائز“ باب: ”المسألة فی القبر ومن يُسأل ومن لا يُسأل“ حدیث: ۳)۔ ترجمہ: ”سوال خالی ان سے ہو گا جن کا ایمان خالص ہو گا اور ان سے ہو گا جن کا کفر خالص ہو گا باقی افراد کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔“

اگر جماد ہو زندگی اور حیات نہ ہو تو پھر عذاب ہو تو وہ کیسے؟ عذاب تو زندہ کے لیے ہوتا ہے تو اسی سے یہ بھی ہے کہ آگ جو برزخ والی ہے وہ جہنم کے بارے میں جو ذکر ہے آگ کا وہ نہیں ہو گی۔ عالمِ برزخ کا عذاب قیامت کے دن جو عذاب ہونا ہے اُس سے اُس کا قیاس نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ اُس عذاب سے کمتر عذاب ہو گا، وگرنہ یہ کہنا کہ قیامت کے دن جب قیامت قائم ہو گی تو پھر فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو تو اگر قیامت والا عذاب برزخ والے عذاب سے زیادہ سخت نہ ہو تو پھر اس بیان کا کیا مطلب نکلتا ہے؟ یہاں ہم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہی بات قیامت کی نعمتوں کے بارے میں بھی ہے کہ وہ نعمات جو برزخ کے عالم میں ملیں گی وہ اُن نعمات سے کمتر ہوں گی جو قیامت کے دن جنت کی نعمات ہیں جیسا کہ روایات میں ہے کہ برزخ کے عذاب میں جو گرفتار ہوں گے وہ یہ کہیں گے: اے ہمارے رب! قیامت قائم نہ ہو کیونکہ اس بات کو جانتے ہوں گے سمجھ رہے ہوں گے کہ جو کچھ قیامت کے دن اُن کے ساتھ ہونا ہے وہ اس سے بدتر[23] ہو گا لیکن جو عالمِ برزخ میں نعمت میں ہوں گے وہ کہیں گے: ہمارے رب قیامت قائم ہو جائے تاکہ ہم اس سے بہتر نعمات سے لطف اندوز ہوں اور برزخ[24] سے جو بڑا آرام ہے وہ ہمیں ملے۔

---

[23] امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت ہے کہ: ان أرواح الكفّار في نار جهنّم يُعرضون عليها يقولون ربّنا لا تُقِم لنا الساعة، ولا ينجزلنا ما وعدتنا، ولا تُلحِق آخرنا بأوّلنا۔ (میزان الحکمة، جلد۱، حدیث: ۱۶۹۴) ترجمہ: ”کافروں کی ارواح جہنم کی آگ میں جب اُن کو پیش کی جائے گی تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارے لیے قیامت کی گھڑی نہ لا اور جو تو نے ہم کو وعدہ دیا ہے وہ پورا نہ کر اور ہمارے آخری کو ہمارے پہلے سے نہ ملا۔“

[24] امام صادق علیہ السلام سے ہے کہ: أرواح المؤمنين في حُجُرات في الجنة، يأكلون من طعامها، ويشربون من شرابها، ويتزاورون فيها، ويقولون ربّنا أقم لنا الساعة لتنجزلنا ما وعدتنا۔ (میزان

دُوسرا گروہ:

جیسا کہ روایات[25] میں آیا ہے جو پہلے ہم (حاشیہ میں بھی اور اصل متن میں بھی) بیان کر آئے ہیں یہ ان کے لیے ہے جن کا ایمان خالص ہو گا اور جن کا دُنیا میں ایمان طاہر، پاک و پاکیزہ، صاف ستھرا ہو گا اور یہ انبیاء، رسولوں، اوصیاء، معصومین کو شامل ہے ان میں شہداء بھی ہیں اور جن کے حالات قرآنی آیات کے مطابق ہم بیان کرتے ہیں۔ یہ دوسرا گروہ جو ہے اس پر کوئی دوسری بات نہیں ہے کہ پہلے مرحلے میں جب دُنیا سے منتقل ہوں گے تو فوراً اللہ کی نعمات میں اور اللہ کی خوشنودی میں ہوں گے اللہ کی طرف سے امن وامان میں ہوں گے، صحت وسلامتی، عافیت وعزت اور وہ کچھ ملے گا جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

عالم برزخ میں شہداء کے حالات بارے

قرآنی آیات میں شہداء کے خصوصی حالات کے بارے میں بہت ہی عمدہ بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی محکم کتاب میں فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط [26]

ترجمہ: ”اور جو لوگ راہ خدا میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو“

یہ لوگوں کے لیے خطاب ہے ہمارے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جو تھے اور آج تک جو ہیں اور قیامت کے قائم ہونے تک جو آئیں گے سب کے لیے یہ

الحکمۃ، جلد۱، حدیث: ۱۶۸۹) ترجمہ: ”مومنین کی ارواح حجروں میں ہوں گی وہاں سے جنت کے کھانے کھائیں گے پانی پئیں گے ایک دوسرے سے ملاقاتیں کریں گے وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہمارے لیے قیامت کی گھڑی لے آ اور ہمارے لیے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔“

[25] سابقہ حاشیہ میں مذکور روایات ملاحظہ فرمائیں جب حضرت نے پہلی قسم کا ذکر کیا۔

[26] سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۵۴۔

ہے۔ یہ ایک تربیتی راہنمائی ہے جس میں لوگوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ شہداء کو دوسروں کی مانند مردہ سمجھیں جیسے باقی مرنے والوں کو سمجھتے ہیں کہ وہ اب اس وقت بھی زندوں میں شمار ہوتے ہیں یعنی قیامت کے دن سے پہلے تک۔ اَحۡیَآءٌ وَّ لٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ[27]۔

ایک قول میں اس سے واضح تر اللہ کا فرمان ہے: وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ۔[28]؛ ترجمہ: ''اور جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں قطعاً انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔'' یعنی اس وقت وہ زندہ ہیں اور ان کا جو ذکر ہے وہ کھانا، پینا اور مال کے حوالے سے نہیں بلکہ اس سے آگے کی تعبیر ہے۔ اُن کو روزی دی جائے گی، کرامت ہے بلند درجات اور مراتب ہیں، سلامتی ہے، شان ہے، عزت ہے، رضایت ہے، سکون ہے، آرام ہے، خوشحالی ہے، نعمات ہیں، جنتیں ہیں اور بہت ساری چیزیں۔ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ۔ ترجمہ: ''اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔''

فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ[29]۔ ترجمہ: ''اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انہیں دیا ہے اس پر وہ خوش ہیں'' انہی لمحات میں وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ[30] ''بشارت دیتے ہیں'' کس کو بشارت دیتے ہیں؟ اپنے بھائیوں کو، اپنے ساتھیوں کو،

---

[27] سورۂ البقرۃ، آیت: ۱۵۴۔

[28] سورۂ آل عمران، آیت: ۱۶۹۔

[29] سورۂ آل عمران، آیت: ۱۷۰۔

[30] سورۂ آل عمران، آیت: ۱۷۰۔

جو ان کے دوست ہیں جو ابھی دُنیا میں موجود ہیں ان کو خطاب کررہے ہیں۔ اے ہمارے بھائی جو تم دُنیا میں موجود ہو اے دُنیا والو! اگر تمہیں پتہ ہو جائے کہ کون سی نعمت میں ہم ہیں اور کس طرح ہم خوش و خرم ہیں اور سلامتی میں ہیں، عزت میں ہیں، ہمارے ساتھ کون کون ہے اور ہماری ہمسائیگی میں کون ہے؟ تو تم وہاں ایک لمحے کے لیے بھی رہنا پسند نہ کرو، دُنیا سے فوراً کوچ چاہو لیکن تمہارے اوپر پردہ پڑا ہوا ہے غفلت میں ہو، بھولے ہوئے ہو۔ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ[31]" جو ان کے پاس آکر ملے نہیں ہیں ان کے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بشارت دیتے ہیں، انہیں خوشخبری سناتے ہیں اچھی بات سناتے ہیں۔" ان کو اطمینان دلاتے ہیں کہ مطمئن رہو اگر ہمارے راستے پر چلو گے تو تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ شہادت دے گا جیسے ہمیں دی ہے تو پھر کوئی ڈر نہیں ہے۔ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ، يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ[32] ۔
ترجمہ: "انہیں (قیامت کے روز) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے، وہ اللہ کی عطا کردہ نعمت اور اس کے فضل پر خوش ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اَجر ضائع نہیں کرتا۔"

تیسرے گروہ کے بارے

جب ہم نے دو گروہ پہلے اور دوسرے کے بارے میں بتا دیا تو ہم تیسرے کے بارے میں بتاتے ہیں جو باقی انسانوں میں سے ہیں، ان کے بارے میں روایات مختلف ہیں، علماء کے نظریات بھی مختلف ہیں ایک ہی مذہب میں کئی کئی رائے ہیں

[31] سورۂ آل عمران، آیت: ۱۷۰۔

[32] سورۂ آل عمران، آیت: ۱۷۰ تا ۱۷۱۔

لیکن یہاں پر علمی اور نظریاتی اور اعتقادی حوالے سے بہت سارے سوالات ہیں اور اس پر بحث ہے لیکن اس سے جو حتمی نتیجہ نکلتا ہے اُس کی طرف ہم جاتے ہیں اور بس چند آراء کو بیان کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

پہلا قول: علماء میں سے کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تیسرا گروہ وہ لوگ ہیں جن سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ پہلے گروہ میں جب اگر یہ عبارت صحیح ہو کہ جب پہلی حالت میں قبر میں جب دبوچا جائے گا اور جو پہلا مرحلہ بھینچے جانے کا ہو گا خوشخبری ہو گی یا غضب کی بات ہو گی تو ان کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور ملائکہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے، لیکن اس کی کوئی وضاحت و تفصیل نہیں ہے۔

دوسرا قول: ایک اور قول ہے کہ بات سمجھتے ہیں کہ مرنے والا اگر نیک ہوا لیکن اس کی سطح دوسرے گروہ والی نہیں ہے جو خالص ایمان والا تھا تو وہ سو جائے گا اور فرشتے اُس کی قبر پر ایک کھڑکی کھول دیں گے یا جنت کا دروازہ کھول دیں گے یہاں سے جنت کی خوشبو اور وہاں کی فضاء کا جھونکا آتا رہے گا، اللہ وحدہ جانتا ہے کیا اُن کے لیے آئے گا اس وقت، وہ سو جائے گا اور بیدار نہیں ہو گا مگر اُس وقت جب صُور میں پھونک ماری جائے گی اُس وقت اللہ تعالیٰ جب اجازت دے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی تو یہی بات ہے وہ جو محض شر والے ہیں پہلے گروہ والے جو خالص اور کھرے ایمان والے نہیں ہیں اُن کی قبر پر ایک تھوڑا سا سوراخ یا کھڑکی جہنم کی کھلے گی اور وہاں سے آگ کا جھونکا، گرمی کا جھونکا آئے گا اور وہ بھی سو ہی جائیں گے یہاں تک کہ قیامت کا دن اللہ کے اذن سے آجائے گا۔

تیسرا قول: ایک اور رائے بھی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے درمیان یا پہلے اور دوسرے گروہ کے درمیان فرق نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر انسان کی قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے آگ کا ایک گڑھا ہے لیکن

وہاں ان کے عذاب اور نعمت کے حوالے سے ایک سطح کا فرق ہے۔ اُن کا عذاب پہلے گروہ کے عذاب سے کم ہے اور ان کی جو خوشحالی اور نعمات ہیں وہ دوسرے گروہ کی نعمات سے کم ہیں۔

تو یہاں سے یہ سوال پیش ہوتا ہے کہ جو دوسرے گروہ سے جیسے شہداء ہیں، انبیاء ہیں کہ اُن کو جو نعمات ملیں گی کیا اُن کی قبور بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جائیں گی؟ جس طرح تیسرے گروہ کے لیے ہے۔ وہاں ایک برزخی جنت ہے جس میں اُن کا حشر ہو گا یعنی وہ محشور ہوں گے اور نعمات لے رہے ہوں گے اور اسی طرح جو پہلے گروہ والے عذاب میں ہیں تو وہ اپنی قبور میں ہوں گے جب اُن پر عذاب ہو گا تو اُن کی قبور آگ کا ایک گڑھا بن جائیں گی یا وہاں ایک آگ برزخی ہے جو لوگ اس جگہ میں ہیں اُن کا اس طرح حشر ہو گا۔

یہاں بڑی تفصیلات ہیں، آراء ہیں مختلف اقوال ہیں۔

اپنے لیے اور مومنین کیلئے نصیحت اور مواعظہ

جس چیز کی طرف میں یہاں پر اشارہ کرنا چاہتا ہوں وہ اس طرح ہے کہ یہ جو تین آراء ہیں ان میں سے کون سی صحیح ہے یا کون سی صحیح نہیں ہے؟ لیکن تیسری رائے کے صحیح ہونے کا احتمال ہے، مثلاً میں اپنے آپ کو ان شاء اللہ یہ سمجھتا ہوں کہ پہلے گروہ سے یقیناً نہیں ہوں اور میں یہ اُمید رکھتا ہوں کہ مومنین سے میرا شمار ہو لیکن میں عام لوگوں میں سے ہوں اور وہ جو ہیں جن کے حال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور میں اپنے حوالے سے کہتا ہوں اور احتمال دیتا ہوں کہ مجھ سے صرف نظر کر دیا جائے گا اور مجھے چھوڑ دیا جائے گا سونے کے لیے اور پھر میرا معاملہ احتساب والے دن تک مؤخر کر دیا جائے گا۔ یہاں ایک اور احتمال ہے کہ یہاں پر فقط احتمال ہی ہو کہ وہ آخری بات ہو کہ ہر قبر جنت کے باغوں سے ایک باغ ہو گی یا آتش جہنم کے

گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ اور یہ بدبختی اور نعمت موت کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گی لیکن برزخی ماحول کے حوالے سے مختلف ہو گی اُس سے جو کہ قیامت میں ہونا ہے۔ یہ احتمال کے لیے کافی ہے کہ ہم ایک پریشانی، خوف اور ڈر کی حالت میں رہیں اور بہت زیادہ چوکنے رہیں۔ آخر موت تو آنی ہی ہے کس لمحے آتی ہے کہاں آتی ہے بعض دفعہ انسان ایسی جگہ اور ایسے موقع پر مرے جس کی وہ توقع ہی نہیں رکھتا۔ ہم سب نے مرنا ہے، جب نبی اکرم ﷺ کو یہ خطاب ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ[33]۔ ترجمہ: "(اے رسول) یقیناً آپ کو بھی انتقال کرنا ہے اور انہیں بھی یقیناً مرنا ہے۔" جبکہ ہمارے نبی ﷺ ساری مخلوق میں اللہ کے محبوب ترین ہیں اور نتیجے میں ہم سب نے برزخ کو پہنچنا ہے، قبر میں جائیں گے اور پھر وہاں ٹھہریں گے سینکڑوں سال یا ہزاروں سال یا دسیوں ہزار سال، کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہونی ہے۔

تو تیسرا احتمال جو ممکن ہے منطقی اور عقلی معنی کے حوالے سے اور اس اس معنی میں کچھ روایات اور کچھ آیات بھی اشارہ دیتی ہیں۔ تو پھر ہم نے اپنے لیے کیا تیار کیا ہے؟ کون سی چیز ہم نے اکٹھی کی ہے جو وہاں کام آئے؟

برزخ کے بارے

یہ جگہ برزخ ہے! اور ہماری بات برزخ کے حوالے سے ہی ہو رہی ہے اور اُس نے آنا ہے، اُس کے بعد قیامت کبریٰ نے وقوع پذیر ہونا ہے جو وہاں پر ابدی زندگی ہے۔ یہ قبر ہے، تاریک گھر ہے، تنہائی کا گھر ہے، وحدت ہے، اکیلے ہیں، وحشت کی جگہ ہے، کیڑے مکوڑوں اور سانپوں کا گھر ہے، کمزوری کا گھر ہے، بھوک کا

---

[33] سورۃ الزمر، آیت: ۳۰۔

گھر ہے، فقر و فاقہ، خالی ہاتھ ؛ تو ہم نے اس کے لیے کیا تیار کیا ہے، کون سی چیز ہم نے مہیا کی ہے اس کے لیے ہم نے کیا آمادگی کی ہے؟ بڑا سوال ہے ہم سے، ہر فرد سے، ایک ایک فرد سے اور ہم جماعت کے حوالے سے، اجتماعی حوالے سے، جب ہم اکٹھے بیٹھتے ہیں، اکٹھے سوچتے ہیں، اکٹھی فکر کرتے ہیں، اکٹھا درس پڑھتے ہیں، اکٹھے منصوبہ بندی کرتے ہیں، اکٹھے بیٹھ کر کام کرتے ہیں، دن رات لگے رہتے ہیں اور ہر سیکنڈ، ہر منٹ، ہر لمحہ، ہر دن ہماری عمر کا کام میں ہوتا ہے، آمادگی ہوتی ہے، تیاری ہوتی ہے، جو بھی ہم اپنے سامنے کام رکھتے ہیں تو اس کے لیے آمادہ ہوتے ہیں، جس طرح فرض کرو ہم جنگ کے لیے تیار ہو رہے ہوتے ہیں تو ہم جنگ کے لیے بیٹھتے ہیں اس کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اپنے معاشی حالات کو دیکھتے ہیں، اجتماعی معاشرتی حالات کو دیکھتے ہیں، سیاسی حالات کو دیکھتے ہیں، امن کو دیکھتے ہیں، جس طرح شادی کا مسئلہ ہے اس کے لیے تیاری کرتے ہیں یا کوئی منصب یا عہدہ لینا چاہتے ہیں اس کے لیے تیاری کرتے ہیں، ہر ایک ہم میں سے اس وقت دنیا کے چند سالوں کے لیے پروگرام بناتا ہے، منصوبہ بندی کرتا ہے اور اب سوچنا چاہیے کہ وہ عالَم جو حقیقت ہے، وہاں کے لیے جو تیاری ہے یعنی جو قبر کا عالَم ہے ہم نے وہاں کے لیے کیا تیار کیا ہے، اس نئے گھر کے لیے کیا بنایا ہے؟ اس جگہ کے لیے کون سی چیزیں آمادہ کر رکھی ہیں؟ کون سا سامان ہم نے وہاں بھیجا ہے، کون سا مال بھیجا ہے، کون سا اسلحہ وہاں بھیجا ہے، کون سی سہولیات وہاں کے لیے تیار کر رکھی ہیں؟ وہ عالَم اس عالَم سے مختلف ہے تو ہم نے اپنے عمل میں سے نیک عمل کون سا بھیجا ہے؟ یعنی ہمارا نیک عمل ہی ہمارے ساتھ باقی رہے گا پہلے لمحے سے آخری تک۔

اہل البیت علیہم السلام سے روایت

اہل البیت علیہم السلام [34] سے روایت ہے کہ انسان موت کے بعد اپنے مال کو دیکھے گا، یہ موت کے بعد ہو گا یا جب وہ حالت احتضار میں ہو گا یعنی جب رُوح نکل رہی ہوتی ہے۔ تو وہ اس مال کے لیے کہے گا: میں نے تیری خاطر پوری زندگی لگا دی،

[34] محدث جلیل القدر شیخ محمد مہدی الحائریؒ کی کتاب "شجرۃ طوبیٰ" ہے، اس میں یہ خبر آئی ہے، بغیر اس کے کہ نبی پاک ﷺ کی طرف یا آئمہ میں سے کسی ایک امام کی طرف نسبت دی جائے اس کا مضمون یہ ہے: ابن آدم کے لیے جب اُس کا وقت آخر ہوتا ہے اور اُس کی رُوح جسم سے نکالی جا رہی ہوتی ہے تو مال، اولاد اور عمل یہ سارے اُس کے سامنے آتے ہیں، اپنے مال کی طرف دیکھتا ہے اور اُس کو کہتا ہے: میں تیرے بارے بہت حریص تھا تجھے اکٹھا کرنے میں، نیک راستے سے بھی، خشکی میں، تری میں، گرمی میں، سردی میں، دن رات لگا رہتا تھا تجھے جمع کرنے میں، اب میں چھوڑ کر جا رہا ہوں اور میں تیری مدد کا محتاج ہوں توں میرے ساتھ کیا کرے گا کس طرح میری مدد کرے گا؟ تو مال کہتا ہے: مجھ سے تو توں بس اپنا کفن لے لے اور قبر کی طرف چلا جا۔ اور یہ وہ اللہ کا قول ہے: وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ (سورۃ القصص، آیت: ۷۷) تو وہ کفن ہے تو وہ اپنی اولاد کی طرف رُخ کرے گا اور کہے گا کہ میں نے آپ کو پالنے کے لیے بہت تکالیف اٹھائیں جان جوکھوں میں ڈالی، مال حرام سے، حلال سے، تمہارے لیے اکٹھا کیا اور جو بھی مال مانگتا تھا اس میں کنجوسی کی، سختیاں برداشت کیں، تکالیف اٹھائیں تاکہ تمہارے حالات ٹھیک رہیں، تمہاری ضروریات پوری ہوں۔ اب میں تمہارا محتاج ہوں میری مدد کرو۔ کیا مدد کرتے ہو؟ تو جواب دیں گے: ہم تمہاری تشییع جنازہ کریں گے قبر تک لے جائیں گے اس گڑھے میں تجھے ڈال دیں گے اور تجھ کو وداع کر کے آجائیں گے۔ جب تجھ پر مٹی اوپر ڈال دیں گے تو ہم اپنے گھروں میں آجائیں گے اپنے ٹھکانے پر آجائیں گے۔ جب مال اور اولاد سے مایوس ہو گا تو عمل صالح کی طرف رُخ کرے گا اور کہے گا: اللہ کی قسم! میں تجھے ناپسندیدگی کی حالت میں انجام دیتا تھا تجھ سے بھاگتا تھا، تجھے انجام دینے میں سستی کرتا تھا، مصروف رہتا تھا اب میں اکیلا رہ گیا ہوں کوئی میرا ساتھی نہیں ہے، مال بھی مدد نہیں دیتا، اولاد بھی مدد نہیں دے رہی تو تم میرے ساتھ کیا کرو گے؟ تو عمل کہے گا: میں تیرے ساتھ ہوں، میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، جہاں تو اُترے گا میں بھی تیرے سامنے کھڑا ہوں گا، تیرے قریب رہوں گا، تیرے ساتھ رہوں گا، تیرا مونس و غمخوار بنوں گا۔ یہ سن کر بندہ خوش ہو جاتا ہے۔ (شجرہ طوبیٰ، مجلس: ۳۹)

تجھے اکٹھا کرنے میں، تجھے جمع کرنے میں، حلال سے، حرام سے، اب میں مصیبت میں ہوں میرے سامنے ایک لمبا سفر ہے تو تجھ سے میں کیا لوں؟ تو مال اس سے کہے گا: مجھ سے تو تجھے فقط کفن ہی ملے گا بقیہ مال تیرے وارث لے لیں گے۔ تو انسان کے بارے اس سے پوچھا جائے گا اس مال کے متعلق تو نے مال کہاں سے لیا تھا؟ حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے؟ وارث کچھ تو وہ ہیں جو اس دُنیا میں مختلف طریقوں سے اس مال سے فائدہ اٹھائیں گے پھر وہ اپنی اولاد، اپنے گھر والوں کو دیکھے گا، اپنے دوستوں کو دیکھے گا، کہے گا کہ میں تمہیں کھلاتا تھا پلاتا تھا اور تمہیں تعلیم دی، تمہاری تربیت کی، تم سے دفاع کرتا تھا، تمہیں اپنے کندھوں پر اُٹھاتا تھا تو اب تم سے مجھے کیا ملے گا؟ تو وہ کہیں گے: تیرا کندھے پر اُٹھانا یہ ہے کہ ہم تجھے اٹھائیں گے اور تجھے گڑھے تک لے جائیں گے۔ تو ان سے بھی کچھ نہیں ملے گا کہ وہ اسے اٹھائیں گے کیونکہ یونہی چھوڑ دیں اور قبر کی طرف اٹھا کر نہ لے کر جائیں سڑک پر رکھ دیں تو اس کے جسم کے بدبو پھیلے گی تو پھر عمل آئے گا اور پوچھے گا کون ہو تم؟ جب اس کا مال اس کو چھوڑ دے گا، اولاد چھوڑ دے گی، دوست اور گھر والے چھوڑ دیں گے تو یہ چیز سامنے آئے گی اور اس کے ساتھ چپک جائے گی اسے چھوڑے گی نہیں؛ تو یہ مرنے والا پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تیرا مجھ سے کیا تعلق ہے؟ کہاں میں نے تجھے دیکھا تھا؟ کیا میں تجھے پہچانتا ہوں یا نہیں پہچانتا؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں! میں تیرا عمل ہوں، اب اور اس کے بعد میں تیرے ساتھ ہوں ایک لمحے کے لیے بھی تجھے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔

اگر تو یہ عمل صالح ہو گا تو انسان کے لیے ذخیرہ بنے گا، مددگار بنے گا اُس کے لیے حفاظت بنے گا اس کی طاقت بنے گا اور برا عمل ہو گا تو ظلم ہے، سرکشی ہے، فساد ہے، معصیت ہے، برائیاں ہیں، گناہ ہیں۔ تو پھر اللہ وحدہ مستعان ہے کہ یہ اس

کا ساتھی ایسا ہے یہ تو اسے چھوڑ کر نہیں جائے گا اور جہاں تک خدا چاہے گا یہ اس کے ساتھ رہے گا۔

پہلی شق بارے

آخر میں ہم یہ کہتے ہیں کہ جو پہلی شق ہے کہ وہ بات یہ ہے کہ ہم عالَم برزخ کی موجودگی کے قائل ہیں، برزخی زندگی کے بھی قائل ہیں اور اس برزخی عالَم میں نعمت اور عذاب، تکلیف اور خوشحالی کے بھی قائل ہیں۔ ایسی نعمت جس کا قیاس دُنیا کی نعمات سے نہیں کیا جا سکتا اور ایسا عذاب جس کی دُنیا کی سختیوں سے موازنہ نہیں ہو سکتا لیکن اس کے باوجود جو آخرت کی نعمات ہیں، جو آخرت کا عذاب ہے وہ برزخی نعمتوں اور برزخی عذاب سے کہیں زیادہ ہو گا لیکن یہ عالَم ختم ہو گا جب قیامت قائم ہو گی اس کے لیے اپنے قوانین ہیں اپنا حساب ہے؛ اس میں عمل عمدہ ہیں۔

شفاعت کا مقام

اگر ہم شفاعت کے اصول کے قائل ہوں کہ انبیاء گناہگاروں کی نافرمانوں کی شفاعت کریں گے، اہل البیت علیہم السلام شفاعت کریں گے، شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم شفاعت کریں گے تو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اُن کے لیے کرامت ہے، مرتبہ اور شان ہے اللہ کے ہاں اور وہ شفاعت ان کی دوسروں کے لیے قبول ہو گی۔ ہم اس اصل اور اس شفاعت کے نظریے کے قائل ہیں لیکن روایات، احادیث اور علماء کے اقوال یہ ہیں کہ عالَم برزخ میں کوئی شفاعت نہیں ہے۔ وہاں نہیں کہا جائے گا کہ کوئی کہے میں شہید کا والد ہوں یا میں شہید کا بیٹا ہوں، شہید کا والد یا بیٹا ہونا وہاں فائدہ مند نہیں ہے بلکہ وہاں جو فائدہ دے گا، برزخی عالَم میں وہ عمل صالح

ہے اور آخرت میں شفاعت کا عقیدہ کام آنا ہے۔ وہاں رحمت الٰہی کا دروازہ کھلے گا اور یہ الٰہی ھدایا اور تحائف ظاہر ہوں گے اور اللہ کا لطف وہاں پھیلے گا۔ اور اللہ وحدہ ہی اکیلا جانتا ہے کہ اُس کی رحمت اُس دن کتنی وسعت پر ہو گی، پس عالَم برزخ بڑا سخت عالَم ہے اس کو معمولی نہ سمجھا جائے اور روایات ہیں کہ قیامت کے دن ممکن ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں لیکن برزخ میں ایسا نہیں ہوگا؛ پس انسان کو اپنے لیے کوشش کرنی چاہیے اور اس عالَم کے لیے عمل کرے اور عالَم برزخ کے لیے عمل صالح، عبادت، نیک کام، تقویٰ، خیر، جہاد، اخلاص، پاکیزگی، طہارت بھیجے۔

لمبا سفر

لمبا سفر ہے جس کے لیے بہت زیادہ کام کی ضرورت ہے جس طرح دُنیا میں ہم نے کہیں کوئی سفر کرنا ہو تو اس کے لیے تیاری کرتے ہیں جیسا سفر ہوتا ہے جہاں جانا ہوتا ہے، مثلاً پہاڑی پر چڑھنا ہے تو پہاڑی پر چڑھنے کے حوالے سے اسکی بلندی کا حساب لگا کر چڑھیں گے، کسی پہاڑی علاقوں میں جانا ہے تو اس کے لیے تیاری کریں گے، جو وہاں کے لیے مناسب ہے ٹھنڈا علاقہ ہے گرم علاقہ ہے اس کے حوالے سے دیکھیں گے، کھانے پینے کا حساب رکھیں گے تو ہم ایک لمبے سفر میں ہیں سینکڑوں وہزاروں سال جس میں رہنا ہے اور یہ اس کی طبیعت میں ہے تو اس کے لیے اپنے قوانین ہیں، اپنے اصول ہیں تو ہمیں اُس کے لیے زادِ راہ بنانا ہے۔ اللہ تم سب پر رحمت کرے، زاد راہ بنالو اور کوچ کے لیے ہمیں ندا دی گئی ہے اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔

باب دوم: اختتامی بحث

قیامت کبریٰ کے حالات اور اُس کی ہولناکیاں

موت کے بعد زندگی کے بارے میں جو ہماری گفتگو ہے اُس کو قیامت کے متعلق ہم مکمل کریں گے، قیامت کے دن کے بارے میں، قیامت کے دن جو واقعات ہونے ہیں، کوشش کریں گے کہ اس موضوع کو ذرا تفصیل سے بتادیں۔ بعض عناوین اجمالی طور پر بتادیں گے اور یہ بحث بنیادی طور پر قرآنی آیات پر مشتمل ہے اور قرآن کریم سب سے بہترین منبع اور سرچشمہ ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے قیامت کے دن کے بارے میں، کیونکہ قیامت کے متعلق خبر غیبی ہے اور ان کی معرفت نہیں ہوسکتی مگر اُن اخبار کے ذریعہ، اُن روایات کے ذریعہ جن پر اعتماد کیا جاسکے جو نبی مکرم اور اہل البیت علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں۔

مقدمہ: حقیقی معنی اور مجازی معنی کے استعمال

بحث کی تفصیل میں جانے سے پہلے اور اس کے مطالب کو پیش کرنے سے پہلے مختصر طور پر میں یہاں مقدمہ کے طور پر بتاتا ہوں کہ وہ جو ہمیں اس موضوع کے حوالے سے کام آئے گی اور یا قرآنی مسائل کو عمومی طور پر سمجھنے میں کام آسکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں اُتارا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ جو قرآن سے کچھ سمجھنا چاہتا ہے اور قرآن کی آیات کے معنی جاننا چاہتا ہے تو وہ عربی زبان سے آگاہ ہو اور عربی زبان کے جو قواعد و ضوابط ہیں ان سے بھی واقف ہو اور اس کے لیے ضروری ہے کہ جو الفاظ ہیں ان کے معنی کو سمجھنے کے لیے اور جو جملے ہیں، جو ان کی ترکیبات ہیں کیونکہ ایک عبارت کا معنی دوسری عبارت سے مختلف ہوتا ہے، ایک کلمہ اور لفظ کا معنی ایک

جگہ اور استعمال ہوتا ہے دوسری جگہ دوسرے معنی میں ہوتا ہے تو ہم الفاظ کے لغوی استعمال کی اقسام کو بیان کرتے ہیں۔

عربی زبان کے علماء و ماہرین نے الفاظ کی دو قسمیں کی ہیں: کبھی عام لوگ ایک معنی تک پہنچنے کے لیے ایک لفظ استعمال کرتے ہیں ان کی مراد وہی معنی ہوتا ہے جو کہ اس لفظ کا ہے جس کے لیے اُس لفظ کو رکھا گیا ہے یا بنایا گیا ہے؛ مثلاً جبل، جب کا ایک معنی پہاڑ ہے اُس سے ہم پہاڑ کی توصیف بیان کرتے ہیں اور یہ اُس کا حقیقی معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ چٹانوں سے بنی ہوئی ایک جگہ جو بلند ہو اور اس طرح قمر کا لفظ ہے اُس کو ہم استعمال کرتے ہیں ایک چھوٹے ستارے کے لیے جو زمین کے گرد گھومتا ہے اور زمین کے تابع ہے، رات کو چمکتا ہوا ظاہر ہوتا ہے، بحر کو ہم استعمال کرتے ہیں جہاں پانی کا بہت زیادہ ذخیرہ ہوتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ سمندر کے معنی میں بحر استعمال ہوا ہے۔ اگر ہم جنگل میں ہوں اور شیر کو دیکھیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس جنگل میں شیر ہے، لفظ اسد کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اب یہ جو الفاظ ہیں جبل، قمر، بحر، اسد؛ جو ہم نے مثالیں دی ہیں ان کے جو حقیقی معنی ہیں وہ پہاڑ کے ہیں، چاند کے ہیں، سمندر کے ہیں اور شیر کے ہیں۔ انہی معنی کے لیے انہیں بنایا گیا ہے۔

ان لفظوں کا جو یہ استعمال ہے اس کو ہم حقیقی استعمال کہتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ یہ الفاظ حقیقت میں انہی معنی کے لیے آئے ہیں۔ کبھی ایک معنی کا دوسرے معنی کے ساتھ ایک معنوی تعلق ہوتا ہے اس تعلق کے نتیجہ میں ایک اور معنی نکلتا ہے اور اُن دونوں معنوں کے درمیان جو مختلف پہلوؤں میں اشتراک ہے اور جو اس میں ایک مناسبت ہے اس کو لیتے ہیں۔ مثلاً جو لفظ پہلے معنی کے لیے استعمال ہوا ہے تو اُس کو ہم پہلے معنی کی بجائے جو اس کا حقیقی معنی ہے اسے دوسرے معنی میں استعمال

کرتے ہیں اور وہ دوسرا معنی مختلف پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کے ساتھ اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے جس طرح ہم دیکھیں کہ ایک شخص بہت طاقتور ہے، ارادے کا پختہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ میں نے پہاڑ کو دیکھا تو ہماری مراد وہ پہاڑ نہیں ہے جو مٹی اور ریت اور چٹانوں سے بنا ہے بلکہ ہماری مراد وہ آدمی ہے جو مضبوط ہے، مٹی اور ریت سے بھی زیادہ ثابت ہے اپنی بات پر ڈٹا رہتا ہے اور اُس میں کوئی کمزوری نہیں آتی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں پر جو لفظ استعمال ہوا ہے دونوں معنوں میں ایک لحاظ سے شراکت پائی جاتی ہے، یہ پہاڑ اور یہ آدمی؛ وہ شراکت کس بات میں ہے؟ وہ سختی میں، شدت میں اور مضبوطی میں۔ اسی طرح ہم ایک شخص کو دیکھیں کہ بہت جری ہے بہادر ہے جنگوں میں آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص شیر ہے۔ ہم اس سے مراد وہ درندہ حیوان شیر نہیں لیتے بلکہ ہم نے اس لفظ کو شجاعت اور دلیری میں استعمال کیا ہے کہ اس میں معنوی شراکت ہے۔ اور اس طرح بہت ساری مثالیں ہیں۔ تو یہ ہے کہ اُن میں الفاظ بعض دفعہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہو رہے ہوتے بلکہ دوسرے معنی میں استعمال ہو رہے ہوتے اور دوسرے معنی اُس حقیقی معنی کے ساتھ بعض حوالوں سے اور اعتبارات سے مشترک ہوتے ہیں۔ یہ جو دوسری قسم کا استعمال ہے اس کو ہم مجازی استعمال کہتے ہیں۔ پہلا استعمال جس معنی کے لیے بنایا گیا ہے اُس میں وہ لفظ استعمال ہو تو وہ حقیقی معنی کا استعمال ہے لیکن اگر بعض جہات میں شراکت کی وجہ سے دوسرے معنی میں استعمال ہو رہا ہو تو وہ پھر اُس کا مجازی معنی ہو گا اور یہ سارے جو اہل لغت ہیں اہل زبان ہیں کوئی بھی زبان ہو کسی ایک گروہ یا دوسرے گروہ سے اس کا اختصاص نہیں ہے۔

یہاں ہم ایک بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جو لغوی استعمالات ہیں عام طور پر حقیقی معنی میں ہوتے ہیں، اگر متکلم اُن سے دوسرا معنی مراد لے جس کو

ہم مجازی معنی کہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس کے لیے کوئی علامت ہو، کوئی اشارہ ہو ، کوئی دلیل ہو کہ یہ اس کے اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

حقیقت اور مجاز قرآن الکریم میں

ہم نے تمہید میں بتایا ہے تو اس میں ہم قرآن سے بھی لیتے ہیں کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ قرآن عربی زبان میں آیا ہے اور بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے اور بہترین بیان میں اعلیٰ نمونہ ہے، اس میں الفاظ کا حقیقی استعمال بھی آیا ہے اور مجازی معنی میں بھی۔ سارے الفاظ جو وہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوئے، تو اس طرف توجہ ضروری ہے۔ مثال ہے ہم کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ھٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَھُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیۡلًا[35]۔ ترجمہ: ''اور جو شخص اس دُنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ (اندھے سے بھی) زیادہ گمراہ ہو گا۔'' معلوم ہے کہ یہاں الاعمی کے لفظ سے مراد وہ شخص نہیں ہے جس میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں، یا پیدائشی اعتبار سے یا کسی حادثہ میں ایسا ہو گیا ہے۔ تو اب یہاں ہے کہ یہاں پر جو مثال ہم نے دی ہے قرآن کی آیت کے ذریعے اس میں اگر الأعمی حقیقی معنی میں استعمال ہو تو یہ اللہ سبحانہ کی حکمت کے ساتھ منافی ہے اور اللہ کے عدل کے خلاف ہے کیونکہ جو اس دُنیا میں اندھا ہوا، دیکھ بھی نہیں سکتا تھا پیدائشی اندھا تھا یا بعد میں، اور قیامت میں بھی اسی طرح اندھا ہی ہو اور راہ کے حوالے سے اس نے جو انتخاب کیا ہے وہ مراد ترین ہو تو یہ تو درست نہیں ہے۔ تو اس کی صحیح توجیہ اور اس کی بات کیا ہو گی کہ ہم یہ کہیں کہ یہاں الأعمی کا لفظ مجازی طور پر استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد دل

---

[35] سورۃ الاسراء، آیت: ۷۲۔

کا اندھا اور یہ نہیں مراد کہ جو اپنے ذہن کو اور اپنے دماغ کو، اپنے دل کو حق اور باطل سمجھنے میں استعمال نہیں کرتا وہ ایسے ہے جیسے وہ نابینا ہے۔ یعنی اس سے مراد گمراہ اور منحرف لیا گیا ہے یعنی جو اس دُنیا میں منحرف ہے تو وہ اگلے جہاں بھی منحرف ہی ہو گا۔
یا بعض آیات میں ہم پڑھتے ہیں کہ: یَدُ اللهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ[36]۔ ترجمہ: ''اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اُوپر ہے'' ہمارا تو عقیدہ ہے کہ اللہ جسم نہیں ہے اس کی مثال کوئی بھی شئے نہیں ہے۔ تو جو ہاتھ یہاں حقیقی معنی میں ہو تو جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اس کی توجیہہ نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ ہم یہ کہیں کہ ہاتھ کا لفظ یہاں مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہاں پر قدرت اور طاقت کے معنی میں ہے کیونکہ انسان ہاتھ کے ذریعے ہی اپنی طاقت اور قوت کا اظہار کرتا ہے۔ اس لیے یہاں ہاتھ بول کر قدرت مراد لی گئی ہے یعنی اللہ کی قدرت سب کی قدرت سے بالاتر ہے۔

عربی لغت، زبان بلیغ ہے اور مختلف استعمال کے لیے اس کا میدان کھلا ہے، قرآن اسی زبان میں اُترا ہے، بعض آیات اُن کے الفاظ، اُن کے حقیقی معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور بعض دوسرے الفاظ اُن کے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوئے مجازی معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور وہ مجازی معنی اسی وقت ہو گا جب اُس کے لیے کوئی علامت، کوئی نشانی، اشارہ موجود ہو جو یہ بتارہا ہو کہ یہ لفظ حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قیامت کبریٰ کے اشارے اور وہاں کے واقعات

ہم نے شروع میں جو بات کر دی ہے اس کے بعد ہم پلٹتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف اور وہ ہے قیامت کے آنے کا مسئلہ۔ یہ وہ آخری مرحلہ ہے جس سے

[36] سورۂ الفتح، آیت: ۱۰۔

انسان نے گزرنا ہے اور سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بحث کی اور پہلے باب میں ہم نے بتایا عالَم برزخ کے بارے میں، تو شروع میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قیامت کی آمد کی گھڑی کا وقت سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، اور یہ وہ غیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے، اس غیب سے اللہ نے اپنے رسولوں اور انبیاء کو بھی آگاہ نہیں کیا اور ان کی یہ ذمہ داری تھی کہ لوگوں کو قیامت کے بارے میں بتائیں اور یہ بتائیں کہ قیامت کی آمد کا وقت اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اللہ ہی اس سے آگاہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء، اپنے اولیاء یا فرشتوں میں سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے آنے کا زمانہ سوائے اللہ کے کوئی ایک بھی اس سے واقف نہیں ہے تو وہ ایک سال بعد آئے، سو سال بعد آئے، ہزار سال بعد آئے، دس ہزار سال بعد آئے؛ اُس کا آنا اچانک ہو گا بلکہ اُس کی خاص علامات اور اُس کے خاص اوصاف ہیں کہ اُنہی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اچانک آئے گی۔

روایات میں بھی یہ بات آئی ہے کہ لوگ اپنے اپنے روزمرہ کی زندگی کے کاموں میں مصروف ہوں گے اور اسی غفلت کی حالت میں کسی کو توقع بھی نہیں ہو گی قیامت آجائے گی، اس کا اعلان ہو جائے گا[37]۔

---

37 اس بات کو سید یہاں بیان کر رہے ہیں: وہ بات قرآن میں آئی ہے اور روایات میں بھی ہے۔ اہل بیت اطہار علیہم السلام نے بھی اسے بتایا ہے۔ قرآن میں اللہ کا قول ہے: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ۔ (سورۂ الانعام، آیت: ۳۱)، ترجمہ: ''وہ لوگ گھاٹے میں رہ گئے جو اللہ سے ملاقات کو جھٹلاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان پر اچانک قیامت آجائے گی تو (یہی لوگ) کہیں گے: افسوس ہم نے اس میں کتنی کوتاہی کی اور اس وقت وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے، دیکھو کتنا برا ہے یہ

بوجھ جو وہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔" اور قول ہے: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ الاعراف، آیت: ۱۸۷)، ترجمہ: "یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت واقع ہونے کا وقت کب ہے؟ کہد یجئے: اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے، قیامت کے وقت کو اللہ کے سوا کوئی ظاہر نہیں کر سکتا، (قیامت کا واقع ہونا) آسمانوں اور زمین کا بڑا بھاری حادثہ ہوگا جو ناگہاں تم پر آ جائے گا، یہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی کھوج میں ہوں، کہہ دیجئے: اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔" اور قول ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ (سورۃ الزخرف، آیت: ۶۶)۔ ترجمہ: "کیا یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر اچانک آ پڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟" ان میں "بَغْتَةً" لفظ آیا ہے کہ اچانک قیامت رُونما ہو گی اور اس کے علاوہ بہت ساری جگہوں پر مختلف صورتوں میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔ اہل البیت عصمت وطہارت علیہم السلام سے اور نبی پاک ﷺ سے یہ روایت ہے کہ یہ: يكون فی آخر الزمان فتن كقطع الليل المظلم، فاذا غضب الله تعالیٰ علیٰ اهل الارض أمر الله سبحانه و تعالیٰ اسرافیل أن ينفخ نفخة الصعق، فينفخ علیٰ غفلة من الناس، فمن الناس من هو فی وطنه، ومنهم من هو فی سوقه، ومنهم من هو فی حرثه، ومنهم من هو فی سفره، ومنهم من يأكل فلا يرفع اللقمة الی فمه حتی يخمد و يصعق، ومنهم من يحدّث صاحبه فلا يتم الكلمة حتی يموت۔ (معالم الزلفی، فی معالم الدنیا والاخری، الجملة الرابع، باب: ۶، حدیث ۸)، ترجمہ: "آخری زمانہ ہوگا اور اس زمانے کے جو حالات ہوں گے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے، اگر جب اللہ زمین والوں پر غضب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسرافیلؑ کو حکم دے گا کہ نفخہ میں پھونک ماریں اور وہ پھونک مارے گا اور چیخ نکلے گی، لوگ غفلت میں ہوں گے، کچھ اپنے وطن میں ہوں گے کچھ بازار میں ہوں گے، کچھ سفر میں ہوں گے، کچھ کھیت میں ہوں گے اور کچھ کھا رہے ہوں گے کچھ لقمہ اُٹھائیں گے اپنے منہ کی طرف یہاں تک کہ وہیں رک جائے گا، کچھ چیخ رہے ہوں گے، کچھ اپنے ساتھی سے بات کر رہے ہوں گے، بات پوری نہیں ہو گی کہ مر جائیں گے۔" تفسیر القمی میں قول خدا تعالیٰ ہے: مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ۔ (سورۃ یسین، آیت: ۴۹)، ترجمہ: "(درحقیقت) یہ ایک ایسی چیخ کے منتظر ہیں جو انہیں اس حالت میں گرفت میں لے گی جب یہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔" آپ نے فرمایا:

وہ واقعات کون سے ہیں جو اللہ کے اذن اور اجازت سے قیامت کے آنے پر ہوں گے ؟

اس کے بارے میں روایات ہماری راہنمائی کرتے ہیں دو قسم کی ہیں؛ کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق زندہ مخلوقات سے ہے، وہ مخلوقات مختلف ہیں ان میں ہم انسان ہیں اور جن کا علاقہ غیر زندہ جو کائنات کے دیگر موجودات ہیں ان سے ہے جیسے سورج، چاند، پہاڑ، سمندر، دریا، درخت، کھیت وغیرہ۔

یہ ایک عمومی چیز ہے جو واضح ہو گی کہ یہ واقعات جو آئیں گے آخر سے اوّل تک اس انداز سے ہوں گے کہ اُس میں خوف ہو گا، پریشانی ہو گی، رعب ہو گا اور ہولناکی ہو گی، انجام کیا ہونا ہے، شروع ہوتے ہی انسان کے اوسان خطاء ہوں گے کیا وہ سوچ سکے گا؟ یہاں تک کہ یہ جو میدان محشر کا موقف ہے ٹھہرنے کا؛ وہاں

ذلك فی آخر الزمان، یصاح فیهم صیحةً وهم فی أسواقهم یتخاصمون، فیموتون کلهم فی مکانهم، لا یرجع أحد منهم الیٰ منزله، ولا یوصی بوصیة۔ (تفسیر القمی، تفسیر آیت : ۴۹، سورۂ یٰسین)۔ "یہ چنگھاڑ جو آیت میں بتائی جارہی ہے یہ آخری زمانے میں ہو گی، لوگ اپنے بازاروں میں ہوں گے، جھگڑ رہے ہوں سب کے سب مر جائیں گے کوئی اپنے گھروں کو نہیں پلٹے گا اور وصیت نہیں کر سکے گا۔" اور صاحب التفسیر المیزان نے اس روایت والی بحث نقل کی ہے: وفی المجمع فی الحدیث تقوم الساعة والرجلان قد نشرا ثوبهما یتبایعان فما یطویانه حتی تقوم الساعة، والرجل یرفع أکلته الیٰ فیه حتی تقوم الساعة، والرجل یلیط (أی یملأ) حوضه لیسقی ما شیته فما یسقیها حتی تقوم۔ (المیزان فی تفسیر القرآن، تفسیر آیت : ۴۸ تا ۶۵، سورہ یسین کی روایات کی بحث) "قیامت آجائے گی دو آدمی اپنے کپڑے ایک لینے کے لیے ایک بیچنے کے لیے لپیٹنے کے لیے لیں گے، ابھی لپیٹا بھی نہیں ہو گا کہ قیامت آجائے گی، آدمی اپنا کھانا کا لقمہ منہ میں لے جانا چاہے گا کہ قیامت آجائے گی اور کوئی اپنا تالاب حوض بھرے گا کہ اس کے جانور پانی سے سیر اب ہوں وہ جانور نہیں سیر اب ہوں گے کہ قیامت آجائے گی۔"

رہیں گے، جنت والے جنت کی جانب جائیں گے اور جہنم والے جہنم کی جانب جائیں گے لیکن سب پریشانی میں ہوں گے کہ کس کا انجام کیا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحج میں فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ، يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ[38]۔ ترجمہ: ’’اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کیونکہ قیامت کا زلزلہ بڑی (خوفناک) چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی (ماں) اپنے شیر خوار کو بھول جائے گی اور تمام حاملہ عورتیں اپنا حمل گرا بیٹھیں گی اور تم لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھو گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہو گا۔‘‘

قیامت کے دن موجودات کے حالات

پہلی قسم جو زندوں کی ہے اُن مخلوقات میں انسان ہے، قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حکم دے گا جب قیامت کی گھڑی آئے گی تو ہر جو زندہ ہے انسان ہے، جن ہے، فرشتے ہیں، حیوانات ہیں؛ وہ مر جائیں گے اور سوائے اللہ کی ذات کے کوئی بھی کائنات میں زندہ موجود نہیں رہے گا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۚ[39]، ترجمہ: ’’روئے زمین پر موجود ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور صرف آپ کے صاحب عزت و جلال رب کی ذات باقی رہنے والی ہے۔‘‘

---

[38] سورۃ الحج، آیت: ۱ و ۲۔

[39] سورۃ الرحمٰن، آیت: ۲۶ و ۲۷۔

تو یہاں پر فقط بات ہو رہی ہے ان مخلوقات و موجودات کی جو زمین پر ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ زندوں کی موجودگی فقط زمین پر نہیں ہے، فرشتے زمین میں بھی ہیں آسمان میں بھی ہیں اور اس طرح اور مخلوقات بھی ہیں، جنات کی خصوصی حیثیت ہے اُن سب کو موت آجائے گی، عالم برزخ میں جو زمین کے اندر مردہ ہیں اور وہاں جو زندہ ہوئے ہیں اُن کو بھی موت آجائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ ہر زندہ کو مار دے گا چاہے وہ دُنیا میں زندہ تھا یا عالم برزخ میں، یا دوسرے عوالم میں سے کسی عالم میں زندہ ہے اُس کو موت دے دی جائے گی۔

اللہ کس طرح اِن سب کو موت دے گا؟

قرآن میں خصوصی طور پر دو مسئلے بیان ہوئے ہیں، ایک تو ہے الصیحۃ، اُس کی اتنی طاقت بتائی ہے کہ ایک ہی لحہ میں موجودات میں جو بھی زندہ ہیں وہ ایسی آواز ہو گی، ایسی گرج ہو گی چنگھاڑ ہو گی جو اسے مار دے گی اور وہ ہے صُور میں پھونک مارنا۔ اُس کی حقیقت کو تو نہیں ہم سمجھ سکتے کہ بس یہی ہے کہ صورت میں جب پھونک ماری جائے گی اور یہ قرآن میں آیا ہے:

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ [40]۔

ترجمہ: ''اور (جب) صُور میں پھونک ماری جائے گی تو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے، پھر دوبارہ اس میں پھونک ماری جائے گی تو اتنے میں وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔''

[40] سورۃ الزمر، آیت: ۶۸۔

عربی زبان میں صور سے مراد شیپور بجانا ہے جس میں پھونک مارا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ صور کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: البوق، یہ بوق ہے کہ جس میں پھونک ماری جاتی ہے اور یہ قدیمی زمانے میں جب یہ لاؤڈ اسپیکر ایجاد نہیں ہوئے تھے تو اسی کے ذریعے پھونک مار کر اور اسے بجایا جاتا تھا اور یہ خاص کر فوجیوں کے لیے یہ علامت ہوتی تھی کہ جب وہ بکھرے ہوئے ہیں تو وہ اکٹھے ہو جائیں اور پھر دوبارہ ایک صور پھونکی جاتی تھی کہ وہ جہاں اکٹھے ہوئے ہیں اور جس طرف اُنہوں نے جانا ہے اب چل پڑیں۔ تو پہلی دفعہ جو صُور پھونکا جاتا تھا وہاں اکٹھے ہوتے تھے اور دوسری دفعہ وہ چل پڑتے تھے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کو خلق کیا ہے دسویوں سال پہلے، صدیاں پہلے تو ساری اقوام یہ اعلان کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں؛ صُور سے مراد وہی بوق ہے۔

یہاں پر مقصود کیا ہے؟ جیسا بعض روایات میں ہے کہ اسرافیل جو بڑے فرشتوں میں سے ایک ہے اُس کے ہاتھ میں یہ بوق ہوگا جس میں وہ پھونک مارے گا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کی حقیقت کو نہیں جانتا کہ اس کا کیا حجم ہے، اُس کی خصوصیات کیا ہیں، فزیکل حوالے سے وہ کس طرح کا ہے؟ پس اس میں جو آواز دی جائے گی وہ ہر زندہ تک پہنچے گی اور اُسے مار دے گی[41]۔

---

[41] اس معنی میں بہت زیادہ احادیث ہیں، امام علی ابن الحسین علیہ السلام سے قیامت کی گھڑیوں کے بارے روایت ہے کہ: یأمر اللہ اسرافیل فیھبط الی الارض و معه الصور، وللصور رأس واحد و طرفان، و بین طرف کل رأس منھما ما بین السماء والأرض (۔۔۔) فینفخ فیه نفخةً فیخرج الصوت من الطرف الذی یلی أھل الأرض، فلا یبقی فی الأرض ذو روح الا صعق و مات، و یخرج الصوت من الطرف الذی یلی أھل السماوات، فلا یبقی ذو روح فی السماوات الا صعق و مات الا اسرافیل، فیمکثون فی ذلك ما شاء اللہ۔ (معالم الزلفی، الجملة الرابعة، باب: ٦، حدیث: ١) ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دے گا،

یہی معنی مراد ہو سکتا ہے اور پھونک مارا جانا صور میں، تو جب ہم نے مجازی استعمال بتایا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کیونکہ بوق جیسا کہ سب لوگوں کے ہاں اس پر اتفاق ہے اُس سے وہی ایک آواز دینا ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی وہی مراد ہے کہ اللہ اپنی قدرت کے ساتھ؛ اُس کی قدرت لامتناہی[42] ہے۔ علماء کی جو دو آراء ہیں حقیقی معنی ہو یا مجازی معنی میں نتیجہ ایک ہی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک بہت مضبوط اور طاقتور اور خوفناک آواز آئے گی جو ہر عقل، ہر دل اور ہر ذی رُوح تک پہنچے گی اور جو آسمانوں میں ہیں، زمین میں ہیں اور اس میں ایک غشی آجائے گی، غشی عام طور پر ایسی ہو گی کہ اس میں موت ہو گی اور یہ سب مر جائیں گے۔

اسرافیل زمین کی طرف آئیں گے ان کے ساتھ صُور ہو گا، صُور کا ایک سرا اوپر ہے اور اس کی دو طرفیں ہیں اور ہر ایک کا ایک سر ہے اُن میں سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے، اُس میں پھونک مارے گا تو ایک پھونک کی آواز زمین والوں کی طرف آئے گی اس سوراخ کی طرف سے جو زمین کی جانب رخ ہے اور زمین میں کوئی بھی رُوح والا نہیں ہو گا مگر یہ کہ وہ اس آواز سے اس کی چیخ نکلے گی اور وہ مر جائے گا اور دوسری طرف سے جو آواز نکلے گی وہ آسمانوں میں جو رہنے والے ہیں ان کی طرف جائے گی کوئی بھی وہاں روح والا نہیں بچے گا مگر یہ کہ اس کی چیخ نکلے گی اور وہ مر جائے گا مگر اسرافیل بچ جائے گا، پس جتنا اللہ چاہے گا وہ ٹھہریں گے۔" اس طرح کی روایت نبی اکرم ﷺ سے بھی ہے، آپؐ نے فرمایا: یکون فی آخر الزمان فتن کقطع اللیل المظلم، فاذا غضب اللہ تعالیٰ علی أھل الأرض أمر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسرافیل أن ینفخ نفخۃ الصعق، فینفخ علی غفلۃ من الناس۔ (المصدر نفسہ، الجملۃ الرابعۃ، باب: ٦، حدیث: ٨)

[42] اس معنی پر بھی روایات آئی ہیں، نبی پاک ﷺ سے جب سوال ہوا کہ فزع اکبر کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ان الناس یُصاح بھم صیحۃ واحدۃ، فلا یبقی میت الا نُشر، ولا حی الا مات، الا ما شاء اللہ۔ (معالم الزلفی، الجملۃ الرابعۃ، باب: ٦، حدیث ٢) ترجمہ: " اس پہلی چنگھاڑ پر لوگوں کی چیخیں نکلیں گی، کوئی بھی مردہ نہیں رہے گا مگر وہ اُٹھ آئے گا یعنی نشر ہو گا، قبروں سے نکل آئے گا، اور کوئی بھی نہیں رہے گا زندہ مگر یہ کہ مر جائے گا، جس کے بارے میں اللہ چاہے گا وہ باقی رہے گا۔"

یہ وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ ؕ [43]

ترجمہ: ''اور (جب) صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے۔''

یہ جو بعض مفسرین نے کہا ہے: اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو صاعقہ موت کا ہو گا اس کے بعد محفوظ رہیں گے۔ وہ کون ہوں گے؟ بعض نے کہا: جبرئیلؑ، اسرافیلؑ، میکائیلؑ اور عزرائیلؑ، یہ بڑے ملائکہ ہیں اور بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ ان سے بڑے شہداء ہیں اور کچھ روایات میں ہے کہ یہ فقط اس حوالے سے ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت مطلق ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے بغیر اثناء کے سب ہی مر جائیں گے۔ بہر حال جو زندہ ہے سوائے اُن کے جن کا استثناء ہوا ہے سب مر جائیں گے اور اللہ کے سواء کوئی نہیں بچے گا۔

اگر پہلی رائے کو لیں تو جو استثناء ہو گا وہ بچیں گے اور دوسری آراء کے سوائے اللہ کے کوئی نہیں بچے گا۔ تو یہ پہلا واقعہ مخلوقات جو زندہ ہیں پہلے سے ہیں یا بعد میں سب وہی ہیں دوسرے واقعات جن کا وجود موجود ہونے اور کائنات سے تعلق ہے تو اُن کے بارے میں جو آیات ہیں وہ بتاتے ہیں۔ قیامت کا جو منظر ہو گا اسی کو بیان کرتے ہیں اور پھر آیات کی تفسیر کی ضرورت بھی نہیں رہے گی اور قاری کے

---

[43] سورۃ الزمر، آیت: ۶۸۔

لیے واضح ہو جائے گا کہ قیامت کا منظر کیا ہو گا اور اس کائنات میں قیامت نے واقع ہونا ہے اس کی تصویر کیا ہو گی۔

قیامت میں کائنات کا منظر

یہ جو پوری کائنات ہے قیامت جب آئے گی تو اس میں کیا کچھ ہو گا؟

سورج جو کہ روشنی کا منبع ہے اور گرمائش بھی دیتا ہے اور ہمارا منظومہ جو زمینی ہے اس میں زندگی اسی سے وابستہ ہے اور اس کے اور بھی بہت سارے فائدے ہیں جو ہمارے وجود پر بھی اور پوری زمین میں جتنے بھی موجودات ہیں ان پر اس کے فوائد ہیں۔ ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ سورج لپیٹ جائے گا اور اس پر پردہ پڑ جائے گا، اس کا نور ختم ہو جائے گا اور نور جب ختم ہو جائے گا تو پھر چاند کا نور بھی نہیں رہے گا کیونکہ چاند سورج سے نور لیتا ہے اور اندھیرا پوری زمین پر چھا جائے گا بلکہ یہ جو ہمارا نظام شمسی کے تحت جو کچھ ہے اور ہر وہ جو اس سورج کے نور سے روشنی لیتا ہے ان سب کا نور اور روشنی ختم ہو جائے گی۔

آسمان کے جو ستارے ہیں ان کی نورانیت بھی مٹ جائے گی ان کا نور ختم ہو جائے گا اور وہ بکھر جائیں گے اور ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے اور اُن کا نام و نشان ختم ہو جائے گا۔ اس کو سائنسی طور پر بھی ثابت کرنا ممکن ہے کیونکہ ہم جس کو دیکھ رہے ہیں علمی اور سائنسی جو مراکز بنے ہوئے ہیں اُس میں کچھ ستارے ختم ہو رہے ہیں اور جو ہم نے اُوپر بتایا ہے اُس پر یہ صادق آتے ہیں۔

آسمان جو ہمارے اُوپر ہے یہ جو فضاء بنی ہوئی ہے یہ بھی کھل جائے گا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

پہاڑ بھی ریت میں بدل جائیں گے اور اس طرح ہو جائے گا جس طرح ریت کی آندھی ہو اور ہوا میں ذرّات اُڑ رہے ہوں اور زمین آپس میں اس طرح

ٹکرائے گی، اگر اس منظر کو ہم دیکھیں تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اگر ایک پہاڑ ریزہ ریزہ ہو رہا ہو تو کتنا اُس وقت خوف آئے گا اور دل میں کیسی گھبراہٹ ہو گی اور خوف اور ڈر ہو گا تو اب وہ منظر جہاں زمین کے سارے پہاڑ ایک ہی لمحہ میں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو اُس وقت یہ دل، عقل اور ذہن کس طرح اس کو برداشت کر سکتے ہیں۔ زمین ہلے گی، زلزلہ آئے گا، جو کچھ بھی اس میں ہے زمین وہ نکال کر باہر رکھ دے گی اور زمین پھیل جائے گی، نہ اُس میں پہاڑ ہوں گے نہ وادیاں ہوں گی، نہ ٹیڑھا پن ہو گا نہ بلندی، نہ نچلی سطح والی جھکی ہوئی، سیدھی، پھیلی ہوئی ہو گی۔

محشر کا میدان اور محشر کا صحراء

محشر کا میدان اور محشر کا صحراء جس میں کروڑوں انسان اور مخلوقات کو اکٹھا وہاں پر کر دیا جائے گا۔ پھر یہ سمندروں کی بات ہے جو سمندر رکھولیں گے ان میں آگ لگی ہوئی ہو گی اور اُس کے پانی گرم ہو جائیں گے ،نہ پہاڑ ہوں گے نہ وادیاں ہوں گی نہ درخت ہوں گے زندگی کا کوئی منظر باقی نہیں رہے گا۔

ان قرآنی مشاہدہ سے ہم کیا سمجھتے ہیں؟

آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو بتایا ہے یہ کائنات فناء نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی بناوٹ اور اس کی تعمیر اور اس کی ساخت پلٹائی جائے گی ایک نئے نظام کے تحت اور ایک نیا نظام ہو گا۔ اور سوال ہو سکتا ہے کہ زمین پھر کیا ہو جائے گی؟ جس پر لوگ محشور ہوں گے۔ کیا سارے لوگ اسی پر اکٹھے ہوں گے اور اس پر ان کا احتساب ہو گا یا اندھیرے میں اُن کا حساب ہو گا جہاں نہ سورج ہو گا نہ چاند ہو گا نہ ستارے ہوں گے نہ سیارے ہوں گے تو اس کا جواب اللہ تبارک و تعالیٰ اُس نئے نظام میں براہ

راست نور کو خلق کرے گا اور نور محشر والوں کے لیے روشن کر دے گا: وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا[44]۔ ''زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی''

اگر ہم قیامت میں ایک نئے نظام میں نئی کائنات میں موجود ہوں گے اور نئی طبیعت اور نئی فطرت ہو گی تو اس میں زمین کی بھی ایک نئی صورت ہو گی اور وہاں نور بھی ہو گا روشنی بھی ہو گی اور عناصر بھی وہاں ہو گے اور پھر یہ بات آتی ہے جہنم اور جنت کی۔ تو یہ نئے موجود میں وجود آئے گا اس کے نئے قوانین ہوں گے جو ہماری کائنات کے قوانین سے مختلف ہوں گے۔ فزیکلی بھی، کیمکلی بھی، میڈیکلی بھی، طبّی بھی، جیومیٹریکلی بھی اور ریاضی بھی۔ جو ہمارے نظام سے متعلق ہے وہاں اور نظام ہو گا اس کے اپنے نظام ہوں گے اپنے معیارات ہوں گے، اپنے قوانین ہوں گے اور جو کچھ قیامت کے قائم ہونے سے پہلے تھا وہ وہاں پر نہیں ہو گا، اس لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ[45]؛ ترجمہ: ''یہ (انتقام) اس دن ہو گا جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب خدائے واحد و قہار کے سامنے پیش ہوں گے۔'' ہم ایک نئی زمین اور نئے آسمانوں کا سامنا کر رہے ہیں، جو خدا کی طرف سے بنائے گئے ہیں یا اس کائنات کے عناصر کے غائب ہونے اور گرنے کے بعد دوبارہ بنائے گئے، منظّم اور ترتیب دیے گئے ہیں۔

---

[44] سورۂ الزمر، آیت: ۶۹۔

[45] سورۂ ابراہیم، آیت: ۴۸۔

نص قرآنی میں قیامت کے شواہد

قرآن مجید میں قیامت کے روز جو صورتحال ہو گی اُس کی ایک تصویر پیش کی ہے ؛ یہاں پر ہم کچھ دلائل قرآنی آیات سے پیش کرتے ہیں تاکہ جو بھی غور کرنا چاہے وہ اس سے آگاہ ہو سکے اور اس کے متعلق جو بات سمجھنا چاہتا ہے وہ اُسے سمجھ آجائے۔ اس میں ہم کوئی زیادہ لمبی گفتگو نہیں کریں گے بلکہ جو ہم نے اُوپر قیامت کے منظر کی ایک تصویر پیش کی ہے اُسی کی تکمیل میں ہی یہ ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سورۃ الواقعہ میں فرماتا ہے: اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا، رجا کہتے ہیں ہلکنا، جھٹکا، اور قاری ابھی زمین میں جب زلزلہ آئے تو اس زلزلہ آنے کو تصور میں لے آئے کہ زلزلہ جب آتا ہے اور ہر شئے حرکت میں ہوتی ہے اور چیزیں اُوپر نیچے گر رہی ہوتی ہیں تو اُس وقت کس قسم کا خوف طاری ہوتا ہے۔ یہ تو ہمارے زمانے میں کسی بھی علاقے میں زلزلہ جب آتا ہے تو معمولی ہوتا ہے آدھے منٹ یا ایک منٹ کا ہوتا ہے، لوگ کس طرح سڑکوں پر بھاگ رہے ہوتے ہیں ہر کوئی اپنا منہ لے کر دوڑ رہا ہوتا ہے اور ارد گرد عمارتیں گر رہی ہوتی ہیں تو اس کے نیچے سے زمین پھٹ رہی ہوتی ہے اور زمین پھٹنے سے اُس میں چیزیں گر رہی ہوتی ہیں۔ اب یہ تو ایک چھوٹی سے جگہ پر ہوتا ہے لیکن آپ تصور کریں جب پوری زمین ایک لمحے میں اُس کے نیچے سے سرک جائے اور ساری زمین حرکت میں ہو اور اُس کے پہاڑ ہوا بن کر اُڑ رہے ہوں تو وہ منظر کیسا ہو گا؟

اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا ۙ وَّ بُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا ۙ فَکَانَتۡ هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا[46]

---

[46] سورۃالواقعہ، الآیات: ۴تا۶۔

ترجمہ: ''جب زمین پوری طرح ہلا دی جائے گی، اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے، تو یہ منتشر غبار بن کر رہ جائیں گے''

اور سورہ المرسلات میں ہے:

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ۚ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۙ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۙ وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۙ[47]

ترجمہ: ''جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے۔ پس جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے، اور جب آسمان میں شگاف ڈال دیا جائے گا، اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے۔''

سورۃ الحاقۃ میں ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ نَفۡخَۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔

ترجمہ: ''پس جب صور میں ایک دفعہ پھونک ماری جائے گی''۔

تو یہ نفخہ واحدہ ہے اور اس کے لیے دوسرے نفخہ کی ضرورت نہیں ہو گی، سارے زندہ مر جائیں گے۔

وَّ حُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَّاحِدَۃً۔

ترجمہ: ''اور زمین اور پہاڑ اُٹھا لیے جائیں گے تو وہ ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔''

فَیَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ، وَ انۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَہِیَ یَوۡمَئِذٍ وَّاہِیَۃٌ[48] ۔

---

[47] سورۃ المرسلات، آیات: ۷ تا ۱۰۔

[48] سورۃ الحاقۃ، آیات: ۱۳ تا ۱۶۔

ترجمہ: ''تو اس روز وقوع پذیر ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس روز ڈھیلا پڑ جائے گا۔''

یہ آسمان کیوں پھٹے گا اور یہ جو چیخ آئے گی اور کس طرح یہ اپنی حیثیت میں ختم ہو جائے گا اور تحلیل ہو جائے گا؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو ایک فضائی خلاء بنا ہوا ہے زمین کو روکتا ہے اُس کے خراب ہونے سے اور ستارے وآسمان سے جو پتھر گرتے ہیں اُس سے یہ فضاء بچاتی ہے، یہ سارا آسمان پھٹ جائے گا، جدا جدا ہو جائے گا کھل جائے گا اور جو سائنسی اسناد اور فلمیں آپ دیکھتے ہیں تو یہ سب کچھ ایک ہی دفعہ زمین پر گر پڑے گا۔

سورۂ المزمل میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا[49]۔

ترجمہ: ''جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ بہتی ریت کی مانند ہو جائیں گے۔''

اور سورۂ انشقاق میں ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ، وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ، وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ، وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ[50]۔

ترجمہ: ''جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گا جو اس کا حقدار ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور زمین جو کچھ اس کے اندر ہے اسے اُگل دے گی اور زمین خالی ہو جائے گی۔''

---

[49] سورۂ المزمل، آیت: ۱۴۔

[50] سورۂ الانشقاق، آیات: ۱ تا ۴۔

اور سورۃ الانفطار میں ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ، وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ، وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ، وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ[51]۔

ترجمہ: ''جب آسمان شگافتہ ہو جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندروں میں پھوٹ ڈالی جائے گی اور جب قبریں اُکھیڑ دی جائیں گی۔''

سورۃ القارعۃ میں ہے: اَلْقَارِعَةُ ؛ یعنی وہ قیامت جو دلوں، دماغوں اور روحوں پر دستک دیتی ہے۔ مَا الْقَارِعَةُ ۚ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ۔ ''اس روز لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔'' وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ ''اور پہاڑ دُھنی ہوئی اُون کی طرح ہو جائیں گے۔'' فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ[52]۔ ''پس جس کا پلہ بھاری رہے گا، سو وہ من پسند زندگی میں ہو گا۔ اور جس کا پلہ ہلکا ہو گا، سو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہو گا۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا ہاویہ کیا ہے؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔''

سورۂ الزلزلة میں ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ، وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ، وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ، بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ، يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ[53]۔

---

[51] سورۃ الانفطار، آیات: ۱تا۴۔

[52] سورۃ القارعۃ، آیات: ۱تا۱۱۔

[53] سورۃ الزلزلۃ، آیات: ۱تا۶۔

ترجمہ: ”جب زمین اپنی لرزش سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنا بوجھ نکال دے گی، اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی کیونکہ آپ کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر نکل آئیں گے تاکہ اُنہیں اُن کے اعمال دکھائے جائیں۔“

سورۃ التکویر میں ہے: اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ”جب سورج لپیٹ دیا جائے گا“ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ ”اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے، وَاِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ (اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے) وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ (اور جب حاملہ اونٹنیاں (اپنے حال پر) چھوڑ دی جائیں گی) وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ (اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے) وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ (اور جب سمندروں کو جوش میں لایا جائے گا) وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ (اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی) وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ (اور جب زندہ در گور لڑکی سے پوچھا جائے گا) بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ (کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی؟) وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ (اور جب اعمال نامے کھول دیے جائیں گے) وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ (اور جب آسمان اکھاڑ دیا جائے گا) وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ (اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی) وَاِذَا الۡجَـنَّةُ اُزۡلِفَتۡ (اور جب جنت قریب لائی جائے گی) عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ[54] (اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔)

یہ جو کائنات کے سارے حالات ہیں اکٹھے ہوں گے اور کچھ ایک کے بعد دوسرا ہو گا اور اس کا اختتام زندوں کی موجودگی سے ہو گا تو ہم ایک نئی کائنات میں

[54] سورۃ التکویر، آیات: ۱تا۱۴۔

ہوں گے۔ معلوم نہیں اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم وہاں پر کب تک رہیں گے، یہ ایک اور مرحلہ ہے۔ ایک مرحلہ زندہ کرنے کا ہے ساری مخلوقات اُٹھائی جائیں گی اور احتساب کے لیے، اب یہ احتساب چند دن ہو گا یا کئی سال ہو گا یا ہزاروں سال ہو گا؛ یہ غیبی امور ہیں اس بارے قرآن نے مدت ہمیں نہیں بتائی اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی یقینی جواب دے سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہو گا کہ اللہ جب چاہے گا قیامت[55] کا بڑا دن آئے گا۔

---

[55] جی ہاں! ہمیں قرآن یہ بتاتا ہے کہ جب مخلوقات کو مار دیں گے تو پھر اُن سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، یہ بھی غیبی امور سے ہے اور اللہ کے سوا کوئی اسے نہیں جانتا۔ معصومین علیہم السلام کے بیانات میں اس مسئلے کی جانب اشارہ ہوا ہے لیکن اُس کی مدت کا تعین نہیں ہے، مبہم ہی ہے۔ امام الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اذا أمات الله أهل الأرض لبث كمثل ما خلق الخلق و مثل ما أماتهم أضعاف ذلك، ثم أمات أهل السماء الدنيا، ثم لبث مثل ما خلق الخلق و مثل ما أمات أهل الأرض و أهل السماء الدنيا، ثم أمات أهل السماء الثانية، ثم لبث مثل ما خلق الخلق و مثل ما أمات أهل الأرض والسماء الدنيا والسماء الثانية و أضعاف ذلك، ثم أمات أهل السماء الثالثة، ثم لبث مثل ما خلق الخلق و مثل ما أمات أهل الأرض و أهل السماء الدنيا والسماء الثانية والسماء الثالثة و أضعاف ذلك، فی كل سماء مثل ذلك و أضعاف ذلك، ثم أمات ميكائيل، ثم لبث مثل ما خلق الخلق و مثل ذلك كله و أضعاف ذلك، ثم أمات جبرئيل، ثم لبث مثل ما خلق الخلق و مثل ذلك كله وأضعاف ذلك، ثم أمات اسرافيل، ثم لبث مثل ما خلق الخلق و مثل ذلك كله و أضعاف ذلك، ثم أمات ملك الموت، ثم لبث مثل ما خلق الخلق و مثل ذلك كله و أضعاف ذلك، ثم يقول الله عزوجل: لمن الملك اليوم؟ فيردّ على نفسه: لله الواحد القهّار، أين الجبارون؟ و أين الذين ادّعوا مع الها آخر؟ أين المتكبرون و نحوهم؟ ثم يبعث الخلق''۔ (تفسیر القمی، سورۂ غافر، آیت: ۱۶)

ترجمہ: امام الصادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جب خدا سب زمین والوں کو کو مار دے گا جس طرح اللہ نے مخلوق خلق کی تھی اتنی دیر رکے گا اور پھر اُن سب کو مار دے گا اور اس سے چند برابر وقت گزرے گا پھر آسمان والوں کو مارے گا پھر ٹھہرے گا جتنا مخلوق کو خلق کیا تھا اور پھر زمین والوں کو اور دُنیا کا جو آسمان ہے

سارے مردوں کو زندہ کرنا

ہم یہاں پر پلٹتے ہیں اس بات کی طرف کہ اس دن انسان کی حالت کیا ہو گی۔ ہم اس مسئلے کو شروع کرتے ہیں کہ اُن کو زندہ کرنے کا عمل دوبارہ شروع ہو گا۔ ہم نے مرنے کے مسئلے کو بیان کیا ہے اور یہ جو بات ہے زندوں کو مارنے کی اور پھر دوبارہ زندہ کرنے کی؛ تو یہ جو مارنے کا عمل ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ پہلی وہ جو صیحہ اور آواز آئے گی بہت طاقتور آواز ہو گی، خوفناک ہو گی، ہلا دینے والی ہو گی اور اس آواز سے سارے مردے زندہ ہو جائیں گے اور پھر قبروں سے نکل آئیں گے۔

اس میں رہنے والوں کو مارے گا اور پھر دوسرے آسمان والوں کو مارے گا اور جتنی مخلوق کو خلق کیا ہے ٹھہرے گا، پھر زمین والے مارے گا، دنیا کے آسمان والے مارے گا اور دوسرے آسمان والے جو اس سے کئی گنا ہوں گے پھر تیسرے آسمان والوں کو مارے گا اور پھر تیسرے آسمان والوں سے کئی گنا اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا جائے گا اور کئی گنا ہوتا جائے گا اور پھر میکائیل کو مارے گا اور پھر ٹھہرے گا جتنا مخلوق کو خلق کیا، پھر اس کے چند برابر اور پھر اسرافیل کو مار دے گا پھر ٹھہرے گا مخلوق کو جتنا خلق کیا ہے اس کے برابر یا اس سے چند برابر، اور پھر جبرئیل کو مارے گا اور پھر جبرئیل کے بعد ملک الموت کو مارے گا اور پھر اتنا ٹھہرے گا جتنا مخلوق کو خلق کیا اور پھر سب مر گئے تو پھر اللہ عزوجل کہے گا کس کے لیے آج کا دن ہے؟ کون ہے مالک؟۔ تو پھر اللہ اپنے لیے خود ہی جواب دے گا اللہ ہے واحد قہار۔ پھر کہے گا کہاں ہیں جابر لوگ؟ کہاں ہیں وہ میرے ساتھ دوسرے کو معبود بناتے تھے؟ کہاں ہیں متکبرین اور اس قسم کے؟ اور پھر اللہ مخلوق کو اُٹھائے گا۔"

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ صُور میں پھونکا جائے گا اور یہ دوسرا نفخہ ہو گا، مردے زندہ ہو جائیں گے اور قبروں سے نکل پڑیں گے اور یہ نفخۃ البعث اور دوبارہ حیات[56] کا آجانا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَاِذَا هُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمۡ يَنۡسِلُوۡنَ۔ [57]

ترجمہ: ''اور جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو وہ اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔''

اجداث یعنی قبریں؛ اب قاری تصور کرے زمین کا منظر جو قبروں سے بھری ہو گی وہ بھی جن کو قبروں میں دفن کیا گیا اور وہ بھی جو دفن نہ ہوئے اور پھر اسی حالت کو بھی یاد کرے کہ یہ ایسا منظر ہو گا کہ ستارے ٹوٹ رہے ہوں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو رہے ہوں گے، زلزلہ ہو گا، جھٹکا ہو گا اور سب زمین کے پیٹ میں ہوں گے۔ اب ذرا وہ سوچیں کہ جب وہ پلٹیں گے زندہ ہوں گے اور اُن کے نئے سرے سے جسم جڑ جائیں گے اور وہ نئی زندگی اُن میں آجائے گی، ارواح ان کے اجسام میں پلٹ جائیں گی، قبریں کھل جائیں گی تاکہ وہاں سے لوگ نکلیں، کروڑوں اربوں انسان ایک ہی لمحہ میں حیرت میں اور گھبرائے ہوئے نیم بے ہوشی کے عالم میں نکلیں گے۔

---

[56] قاری اس حوالے سے جو روایات آئی ہیں تو پیچھے جہاں روایات بیان کر رہے ہیں وہ بھی دیکھ لیں کہ اسرافیل صور میں پھونک مارے گا، گویا کہ مخلوقات کو مارنے کے عمل میں اُس کی ذمہ داری ہو گی اور دوسرا صور ان سب کو زندہ کرنے کے لیے بھی صور مارے گا اور اشارہ ہوا ہے کہ یہ اس میں اسی کا کام مارنے کا بھی ہو گا اور دوسری دفعہ جو آواز آئے گی وہ آواز دینے میں بھی اسرافیل ہو گا۔

[57] سورۂ یٰسین، آیت: ۵۱۔

یہ ذکر ہوا ہے کہ یہ ممکن و معقول ہے، بعض دفعہ گزشتہ زمانوں میں ہوا، مثلاً السید المسیح علیہ السلام ایک دن ایک قبر کے پاس سے گزر رہے تھے اللہ سے عرض کیا کہ یہ جو مردہ ہے اور اس میں دفن ہے تو اس کو زندہ کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اِذن دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آواز دی اور زمین پھٹی اور مردہ قبر سے نکل آیا اور دیکھا کہ ایک جوان گھبرایا ہوا ہے بے ہوشی کی حالت میں ہے اور بڑھاپا اس پر چھایا ہوا ہے تو اس سے پوچھا کب تم بوڑھے ہوئے؟ تو اس نے جواب دیا: میں ابھی بوڑھا ہوا ہوں اور خیال کیا کہ قبر سے نکلنے کا دن آگیا ہے۔ یعنی یہ یوم الخروج ہے۔ یہ تو اس نے تصور کیا حالانکہ وہ قیامت والا دن نہیں تھا۔ تو کیسی حالت ہو گی اس دن جب حقیقی طور پر وہی قیامت کا دن ہو گا جب قبروں سے مردے نکلیں گے اس وقت کیسی حالت ہو گی؟

اسی حوالے سے کچھ اور آیات جو اس بحث کی تکمیل میں ہیں: وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔ یعنی اپنے رب کی طرف وہ جائیں گے اور جب وہاں جائیں گے جس جگہ اُن کا حشر کیا جائے گا اور ینسلون کا مطلب ہے تیزی سے جائیں گے یعنی جیسے قبروں سے نکلیں گے تو باہر دوڑ پڑیں گے اس میدان کی جانب جہاں پر سارے لوگ احتساب کے لیے اکٹھے ہیں۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ[58]۔ ترجمہ: ''وہ کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! ہماری خوابگاہوں سے ہمیں کس نے اُٹھایا؟ یہ وہی بات ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔'' وہ جان لیں گے کہ جو

[58] سورۂ یٰسین، آیت: ۵۲۔

موضوع ہے یہ حق تھا، یہ اُس وقت مذاق نہیں تھا، انبیاء اور رسولوں نے جو ڈرایا اور بتایا تھا اس وقت تصدیق نہیں کر رہے تھے اور غفلت میں تھے۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ[59]۔

ترجمہ: ”وہ تو صرف ایک چیخ ہو گی پھر سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔“

یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت پر ہے ہم اگر چند ہزاروں کو اکٹھا کریں تو وہ گھبرائے ہوئے بات کریں گے۔

جب ہم چاہیں گے ایک حکومت کو تنظیم کریں اور ایک ملیونی مارچ کریں اُس مارچ کو منظّم کرنے کے لیے سارے وسائل لگا دیں اور اُس میں نظم ہو بد نظمی نہ ہو تو اللہ عز و جل ایک آواز سے کروڑوں اربوں انسانوں کو اکٹھا کر دے گا اُس کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے اور یہ محشر کے صحراء میں ہونا ہے۔

اور جگہ اللہ نے فرمایا:

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ[60]۔

ترجمہ: ”اس دن زمین اُن پر سے پھٹ جائے گی تو یہ تیزی سے دوڑیں گے، یہ جمع کر لینا ہمارے لیے آسان ہے۔“

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ[61]۔

---

[59] سورہ یٰسین، آیت: ۵۳۔

[60] سورہ ق، آیت: ۴۴۔

[61] سورہ ق، آیت: ۴۲۔

ترجمہ: ”اس دن لوگ اس چیخ کو حقیقتاً سن لیں گے، وہی (قبروں سے) نکل پڑنے کا دن ہو گا۔“

یہ جو آواز سنیں گے یہ برحق ہو گی اور یہ سارے انسانوں کی جمعیت ہو گی جو قبروں سے نکلیں گے اور اس جگہ جائیں گے جہاں پر احتساب ہونا ہے، اللہ کے حضور جا کھڑے ہوں گے اپنی قبروں سے نکلیں گے، کفن نہیں ہو گا مگر کچھ استثنائی ہوں گے جیسا کہ روایات میں ہے، ننگے ہوں گے پاؤں میں جوتے نہیں ہوں گے [62]۔ امام علی زین العابدین علیہ السلام نے دُعا میں انسان کی اس وقت کی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے: ”أنظر مرةً عن یمینی و أخری عن شمالی اذ الخلائق فی شأن غیر شأنی“ [63]۔ ”وہ دن ایسا ہو گا کہ میں اپنے بائیں اور دائیں دیکھوں گا، ہر کوئی اپنے اپنے کام میں، اپنی فکر میں ہو گا کسی کو کوئی خبر نہیں ہو گی، کوئی دوسرے کی جانب نہیں دیکھے گا، کوئی دوسرے کے معاملے کو اہمیت نہیں دے گا، ہر شخص اپنی

---

62 تفسیر القمی میں ہے: علی علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی: یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا۔ تو فرمایا: یا علی ان الوفد لا یکون الا رکباناً، أولئك رجال أتقوا الله فأحبهم الله و اختصهم و رضی أعمالهم فسماهم الله المتقین، ثم قال: یا علی أما والذی فلق الحبة وبرأ النسمة انهم لیخرجون من قبورهم و بیاض وجوههم کبیاض الثلج علیهم ثیاب بیاضها کبیاض اللبن، علیهم نعال الذهب شراکها من لؤلؤ یتلألأ۔ (تفسیر القمی، تفسیر: آیت: ۸۵، سورۂ مریم)۔ اور امام الکاظم علیہ السلام سے ہے کہ آپؑ نے فرمایا: لا یخرج ولیّنا و من الدُنیا الا واللهُ و رسولهُ و نحن رضوان عنه، یحشره الله علی ما فیه من الذنوب مبیضاً وجهه، مستورة عورته، آمنة روعته، لا خوف علیه ولا حزن۔ (معالم الزلفی، الجملة الرابعة، باب الخامس عشر، حدیث: ۴)، اس کے علاوہ بھی روایات ہیں۔ (یعنی یہ وہ استثناء ہے جو قیامت کے میدان میں بے لباس نہیں ہوں گے۔)

63 مذکورہ بالا مقطع دُعا ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے جو امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے۔

ذات میں غرق ہو گا اور اس کا دل خوف میں ہو گا اور رنگ اس کا اڑا ہوا ہو گا نیم بے ہوشی میں ہو گا اور اپنے انجام کے بارے میں پریشانی میں ہو گا کہ اس کا مستقبل کیا ہے۔ سوال اور جواب اُس نے دینا ہے، اللہ کے سامنے کھڑے ہونا ہے اور سب بڑے لمبے وقت کے لیے اللہ کے ہاں کھڑے ہوں گے۔

قرآنی آیات اُس دن جو لوگوں کی حالت ہو گی اُس کیفیت کو بیان کر رہی ہیں۔ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ[64]۔ یہ خوف کی شدت کے بارے میں تعبیر ہے۔ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ[65]۔ عربی زبان میں خوف اور ڈر کو بیان کرنے کے لیے بہترین تعبیر ہے کہ دل شہ رگ کو پہنچے ہوں گے غصے اور غم کی حالت میں، بات نہیں کر سکیں گے، سانس نہیں لے سکیں گے مگر جو اللہ اجازت دے تو اُن کو سکون ملے اور اُن کا خوف ٹل جائے۔

اس پر بڑی دیر سوچو، غور کرو؛ ہمیں تو نہیں پتہ کہ وہ دن کتنا لمبا ہو گا اور جو زمین کا نظام ہے وہ تبدیل ہو چکا ہو گا اور یہ آج والا دن جو ہے جو ہم سمجھتے ہیں وہ تو نہیں ہو گا، ہم پہلے بتا آئے ہیں وہاں کا دن، وہاں کے سال، وہاں کا وقت وہ بالکل اُس سے مختلف ہے جو یہاں پر ہے۔ قرآن کریم نے اس کو واضح طور پر بتایا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اذن سے اُس کی مدت ہونی ہے اور اللہ ہی سوال کا اور احتساب کا کرے گا اور لوگوں کا حساب وہاں پر ہو گا۔

---

[64] سورۃ غافر، آیت: ۱۸۔

[65] سورۃ الاحزاب، آیت: ۱۰۔

احتساب کیلئے اللہ کے سامنے پیش ہونا

ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ جب لوگ محشور ہوں گے محشر کے صحراء میں جب سارے اکٹھے ہوں گے، وہاں پر ٹھہرے ہوئے ہوں گے، ننگے پاؤں ہوں گے، بدن پر لباس نہیں ہو گا، پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، خوف اور رعب اُن پر حاوی ہو گا، بھوک اور پیاس ہو گی اور پھر براہ راست اُن سے سوالات ہو رہے ہوں گے، اُن کا احتساب شروع ہو گا تو قیامت کے دن کو بتایا گیا ہے کہ وہ بھوک کا دن ہے، سب سے بڑا دن ہے، بڑی بھوک و پیاس ہو گی، بڑی پیاس کا دن ہے، بڑے خوف اور ہولناکی کا دن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس دن کو ان اوصاف کے ساتھ بیان کیا جیسا کہ آپ کا معروف خطبہ ہے جو ماہ رمضان کے استقبال میں آپ نے دیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: ''اذکروا بجوعکم وعطشکم فیه جوع یوم القیامة وعطشه'' ترجمہ: ''تم جو بھوک اور پیاس روزے میں برداشت کرتے ہو تو اس کو یاد کرو اس دن کو دیکھ کر قیامت کے دن کی پیاس اور بھوک کو۔''

حساب لینے کا وقت

یہ جو مدت ختم ہو گی تو لمحہ میں جب اللہ چاہے گا تو حساب لینے کا وقت آجائے گا۔ قرآن کی تعبیر ہے کہ ترازو لگا دیے جائیں گے اور پہلے شروع میں ہم نے بیان کیا ہے تو یہاں ترازو سے مراد یہ وہ دو پلڑے والا ترازو نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ معیار ہے جس سے برابری کے لیے اُسے استعمال کیا جاتا ہے اور جو ہم نے اشعار میں کہتے ہیں کہ قافیہ، وزن، اشعار کے موازین تو وہ جو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی ہوتی ہے ایک شعر کی دوسرے شعر کے ساتھ یا شعر کے دو مصرعوں

میں جو ربط اور تعلق ہوتا ہے اور جو جوڑ ہوتا ہے، دو مصرعے جڑے ہوتے ہیں، ایک شعر کا ایک مصرع دوسرے مصرع کے ساتھ اور اسے وزن کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ عقل کے لیے کہ جو عقل بھی وزن کرتا ہے یعنی فاسد کو اس سے جدا کرتا ہے جو چیزیں صحیح ہیں۔ تو ہم جب اعمال کے ترازو کا مسئلہ لیتے ہیں تو اس میں یہ کمیت والا وزن مراد نہیں ہوتا جو مادّی وزن ہمارے سامنے ہے اگرچہ اُس کو ہم ایک پلڑے میں رکھتے ہیں اور دوسرے میں اس کے اوزان رکھتے ہیں پھر وزن کرتے ہیں۔

مفسرین کہتے ہیں اس میزان سے مراد جو قیامت کے دن لگے گا تو یہ اس کا مجازی معنی مراد ہے یعنی لوگوں سے اُن کے اعمال کا پوچھا جائے گا اُن کے اعمال کا حساب لگایا جائے گا، اچھے ہونے کا، بہتر ہونے کا یا برے ہونے کا، فاسد ہونے کا اور جن کے وزن بھاری ہوں گے یعنی اُن کا عمل زیادہ و بڑا ہو گا تو وہاں پر عمل کے وزنی ہونے کی بڑی اہمیت ہے، وہ کس طرح ہو گا کہ جو عمل اللہ کے لیے خالص ہو گا اور جن کے موازین اعمال کم ہوں گے تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے اعمال میں اللہ کا خلوص نہیں ہو گا یا اُن کے فاسد اعمال ہوں گے، اس طرح انجام نہیں دیے گئے ہوں گے جس طرح اُن کو انجام دینا چاہیے تھا۔

وہاں پر سوال ہو گا اور اس کا جواب آئے گا اس طرح احتساب شروع ہو گا اور افراد کا حساب ہو گا، اقوام کا، جماعتوں کا۔ یہ ایک موضوع ہے۔

جس کو ہم شہید باقر الصدر علیہ الرحمہ کا جو ایک قرآنی درس ہوتا تھا اس میں سنتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں ان کا یہ جملہ ہے: قیامت کے دن لوگوں کے اور افراد کے حالات کے متعلق اللہ کا یہ قول ہے: وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا [66]۔ ترجمہ: "اور

[66] سورۂ مریم، آیت: ۹۵۔

قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے سامنے تنہا حاضر ہونا ہے۔'' یعنی ان کے ساتھ ان کا بھائی، بیٹا، دوست نہیں ہوگا کیونکہ ہر ایک اپنے ذاتی اعمال کے حوالے سے مشغول ہوگا، ہم میں سے جو بھی ہوگا وہ اکیلا کھڑا ہوگا اللہ کے سامنے حساب دینے کے لیے موجود ہوگا اور گواہ بھی موجود ہوں گے؛ گواہ انبیاء سے ہوں گے فرشتوں سے ہوں گے، جو بھی حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کے لیے جو بھی انسان آیا ہے اور اس نے جو کچھ کیا ہے تو اُس کے حساب کے لیے وہاں وہ موجود ہوں گے۔

بہت ساری دُعاؤں میں آیا ہے کہ اللہ سے سوال کیا جاتا ہے: اے اللہ قیامت کے دن ہمارے اُوپر پردہ ڈال دینا؛ یعنی ہمیں قیامت کے گواہوں کے سامنے رُسواء نہ کرنا کیونکہ ہم نے دُنیا میں بہت زیادتیاں کی ہیں، گناہ کیے ہیں اور جس کا کسی کو پتہ نہیں تھا جب وہ لوگ ہمیں دیکھیں گے جو ہمارے بارے اچھا خیال کرتے تھے تو قیامت کے دن ہمارے بڑی رُسوائی ہوگی۔ انسان دُنیا میں چھپ کر گناہ کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اُسے گھر والے نہ دیکھیں، ہمسائے نہ دیکھیں، کوئی جماعت نہ دیکھ رہی ہو، کوئی پارٹی نہ دیکھ رہی ہو، اس کے شہر والے نہ دیکھ رہے ہوں لیکن قیامت کے دن جو کچھ ہم نے لوگوں کے سامنے کیا ہے وہ بھی رسوائی ہوگی گواہوں کے سامنے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کے لیے جو مخلوق ہے وہ سب موجود ہوگی۔ ہم میں سے ہر کوئی حریص ہے اس بات پر کہ اُس کی کرامت محفوظ رہے تو اُس پر ہے کہ وہ کوئی گناہ نہ کرے ایسا گناہ جو اسے اللہ کے سامنے قیامت کے دن رسواء کرے گا۔ انسان حساب کے لیے پیش ہوگا اور قیامت کے دن اللہ کے سامنے اُسے رُسواء ہونا پڑے گا اُس کے گناہ کی وجہ سے۔

انسان حساب کے لیے آگے بڑھے گا اور اُس کے ہاتھ میں اُس کا اعمال نامہ ہوگا اور کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ پڑھو۔ تو جب وہ اُس میں دیکھے گا تو اُس نے اپنی

زندگی میں جو کام کیا ہے وہ وہاں پر لکھا ہوا موجود ہو گا، چھوٹا بڑا جو بھی حرکتیں کی ہیں سب کو گن گن کر چُن چُن کر وہاں لکھ دیا گیا ہے۔ لکھا ہو گا کہ اس نے سو سال کیا ہے دو سو سال کیا ہے پچھلے زمانوں میں رہا ہے جن کی عمریں بہت زیادہ تھیں، ہزار سال یا اس سے زیادہ، جو بھی اس کے بارے میں تھا وہ سب کچھ موجود ہو گا لیکن آج انسان ایسا ہے وہ جو سابقہ ہیں وہ اچھی طرح جواب نہیں دے سکیں گے کہہ دیں گے کہ اللہ جانتا ہے، اور جو حتمی چیزیں سمجھانے والی ہیں اس مسئلے کو تو اُس پر جواب دیں گی۔

اگر آج ہم میں سے کوئی ایسا ہے کہ اُس کے پاس ایک چھوٹا سا آلہ ہوتا ہے جس کا حجم ایک ہاتھ سے بھی کمتر ہے تو اُس میں دسویوں ہزار کتابیں آجاتی ہیں تو ہمارے اعمال کی کتاب بھی اسی طرح ہے کہ اُس میں ہماری زندگی بھر کے سارے اعمال آجائیں گے اور کچھ بھی اس میں باقی نہیں بچے گا، سب کچھ اس میں موجود ہو گا، یہی چیز ہو گی یا کچھ اور ہو گا اسکرین پر جیسے ہر شئے آجاتی ہے آپ کے موبائل کی ایک سم جو چھوٹی سی ہے اس میں لاکھوں کتابیں آجاتی ہیں وہاں پر بھی کچھ ایسا ہی ہو گا باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

انسان کے سامنے اعمال کی کتاب

جب انسان اپنے سامنے پڑی ہوئی کتاب کو پڑھے گا تو اُس کے پاس کوئی گنجائش ہی نہیں ہو گی کہ وہ انکار کرے، دُنیا میں جب معاملہ عدالت میں ہوتا ہے تو انسان کبھی جھوٹ بولتا ہے، کبھی دھوکہ دیتا ہے، کبھی جھوٹی قسم اُٹھالیتا ہے اور کبھی دھوکے دینے والے دلائل پیش کرتا ہے، قاضی اور جج کے سامنے حقیقت کو تبدیل کر کے رکھ دیتا ہے لیکن قیامت میں اس سب سے وہ عاجز ہو گا ہر شئے اُس کے پاس کتاب میں لکھی ہوئی اس کے سامنے ہو گی انبیاء اور فرشتے اور سارے زمین والے اُس

پر گواہ ہوں گے بلکہ دیواریں، جس گھر میں وہ رہتا تھا، جہاں اُس نے گناہ کیے تھے جس زمین پر، جس کمرے میں، جس دیوار کے ساتھ، جس درخت کے نیچے؛ سب بولیں گے بلکہ اُس کی اپنی زبان ہاتھ اور پاؤں بھی گواہ ہوں گے تو پھر کہاں فرار کر کے جائے گا؟

قیامت کے دن کا قاضی

اس دن میں قاضی کون ہے؟ یعنی جس نے فیصلہ دینا ہے۔ قاضی عادل مطلق ہے وہاں ظلم آنکھ جھپکنے کے برابر بھی نہیں ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔ عدل مطلق ہے اس میں کہیں ظلم و زیادتی نہیں اور نہ ہی کوئی واسطہ قبول ہے، نہ ہی کوئی اور گنتی کی چیزیں وہاں ہوں گی، وہاں کوئی ڈرے گا نہیں، کوئی کسی حوالے سے کسی طمع میں بھی نہیں ہو گا، وہ عادل ہے، غنی ہے، قادر ہے اور اُس کے اُوپر کچھ بھی مخفی نہیں ہے، اُس کا علم ہر شیئے کو گھیرے ہوئے ہے، بندگان کے تمام احوال اُس کے دائرے میں ہیں اُس کے احاطے میں ہیں اور اُسی نے ان سب کو خلق کیا ہے، جو عدل کرے گا اور جب ایسا ہے تو پھر فرار کی جگہ کہاں ہے؟

دُنیا میں تو کوئی ہوتا ہے جو ہمارے مقدمہ میں ہمارا دفاع کرتا ہے، وکیل ہوتا ہے آپ کے دفاع کے لیے، وہاں کوئی وکیل نہیں ہو گا۔ كُلُّ نَفۡسٍ تُجَادِلُ عَنۡ نَّفۡسِهَا[67]، "ہر شخص اپنی ذات کے بارے میں خود ہی بحث کر رہا ہو گا" وہاں کوئی وکیل نہیں ہو گا جو قانون سے واقف ہو اور قانون کی روشنی میں دفاع کرے آپ کا، بلکہ آپ پر ہے کہ آپ اپنا دفاع خود سے کریں اور واقعات جو ہوئے ہیں جو کام کیے گئے ہیں وہ سب آپ کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔

---

[67] سورۃ النحل، آیت: ۱۱۱۔

سوال وجواب کی روشنی میں فیصلہ

تو اس حساب کی روشنی میں اور سوال و جواب کی روشنی میں نتیجہ ہونا ہے اور اس میں جو مؤقف ٹھہرا ہوا ہے جہاں جس کے موازین اعمال کا پلڑا ہے وہ بھاری ہو تو یعنی اس کا عمل وزنی ہو اس نے حیات جو گزاری ہے وہ اعمال صالح میں گزاری ہے اور اس کے نیک اعمال بہت زیادہ ہیں، وہ جنت کی طرف جائے گا اور جس کے اعمال کمزور ہیں ہلکے ہیں جس کا عمل تھوڑا ہے یا عمل صالح نہیں ہے تو وہ جہنم کی طرف جائے گا۔ اس مسئلے میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت ہے کہ کوئی قانون کی کتاب ہو جو دوسرے عالم کے لیے ہو۔ اللہ فرماتا ہے: فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ، نَارٌ حَامِيَةٌ۔[68] ترجمہ: ”پس جس کا پلڑا بھاری رہے گا، سو وہ من پسند زندگی میں ہوگا اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا، سو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور آپ کو کس چیز نے بتایا ہاویہ کیا ہے وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔“ پھر وہ گواہیاں اور کتابیں تقسیم ہو جائیں گی اور جس کی کتابیں دائیں ہاتھ میں ہوں گی تو جنت میں اس کا انجام ہے اور جس کے بائیں ہاتھ میں ہوں گی تو وہ فیصلہ ہوگا یا وہ جس کی کتاب پشت کی طرف اسے دی جائے گی تو وہ جہنم کی طرف جائے گا۔

فیصلہ کے بعد یا تھوڑا پہلے

جب فیصلہ ہو جائے گا یا فیصلہ ہونے سے تھوڑا پہلے جیسا کہ دُنیاوی عدالتوں میں ہوتا ہے تو انسان کچھ اپنی مشکلات حل کرنے کے لیے سوچے گا اور کوئی چیز تلاش کرے گا جو اُس کو اُس مصیبت سے چھٹکارا دے دے یہ سارے مضامین

[68] سورۃ القارعۃ، آیات: ۶ تا ۱۱۔

قرآن میں موجود ہیں وہاں نہ تو عذر قبول ہو گا نہ شرمساری، ندامت کام آئے گی اور نہ افسوس کرنا فائدہ دے گا اور نہ ہی غلطی کا اقرار اُسے کوئی فائدہ پہنچائے گا نہ ہی حسرت وافسوس اور نہ ہی کوئی اور چیز ضمانت کے لیے رکھ دے جو اسے عذاب سے بچالے؛ ایسا بھی نہیں ہو گا جیسا کہ دُنیاوی عدالتوں میں ہوتا ہے کہ جو محکوم ہوتا ہے وہ جب ضمانت دے دیتا ہے، کوئی چیز معاوضے میں دے دیتا ہے تو وہ قبول کرلی جاتی ہے لیکن یہاں پر تو پوری زمین سونے سے بھر دے تو بھی قبول نہیں ہو گی۔

اللہ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ [69]۔

ترجمہ: ''اس روز نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد، سوائے اس کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر آئے۔''

شہداء کا معاملہ

شہداء کا معاملہ جدا ہے، وہ شفاعت کے موضوع کے ضمن میں ہے:

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا۔۔۔ [70]

ترجمہ: ''اس دن کوئی قریبی کسی قریبی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔۔۔''

نہ قوم کا بڑا قوم کو فائدہ دے گا اور قوم بڑے کو فائدہ دے گی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[69] سورۃ الشعراء، آیات: ۸۸و۸۹۔

[70] سورۃ الدخان، آیت: ۴۱۔

يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ۙ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيۡهِ ، وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيۡهِ ، لِكُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ [71]۔

ترجمہ: ''تو جس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا، نیز اپنی ماں اور اپنے باپ سے،اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد سے بھی ان میں سے ہر شخص کو اس روز ایسا کام درپیش ہوگا جو اسے مشغول کر دے۔''

بلکہ وہاں کا یہ حال ہے:

يَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ يَفۡتَدِىۡ مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِئِذٍۢ بِبَنِيۡهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيۡهِ، وَ فَصِيۡلَتِهِ الَّتِىۡ تُـْٔوِيۡهِ وَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۙ ثُمَّ يُنۡجِيۡهِ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى [72]۔

ترجمہ: ''مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دے دے اور اپنی زوجہ اور اپنے بھائی کو بھی،اور اپنے اس خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا، اور رُوئے زمین پر بسنے والے سب کو (تاکہ) پھر اپنے آپ کو نجات دلائے؛ ایسا ہر گز نہ ہوگا کیونکہ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے، جو منہ اور سر کی کھال اُدھیڑنے والی ہے۔''

نہ مال فائدہ دے گا، نہ اولاد نہ فدیہ نہ قریب والے اور نہ حسب و نسب فائدہ دے گا کوئی چیز بھی انہیں فائدہ نہ دے گی، اور یہ کہے گا: رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ [73]، میں دنیا میں پلٹ جاؤں۔ وہ نہیں پلٹ سکے گا اور یہ زمین وآسمان کے علاوہ ہو جائے۔

---

[71] سورۂ عبس، آیات: ۳۴ تا ۳۷۔

[72] سورۃ المعارج، آیات: ۱۱ تا ۱۶۔

[73] سورۃ المومنون، آیت: ۹۹۔

اُس دن کیا چیز فائدہ دے گی؟

اس دن کون سی چیز ضمانت ہے اور فائدہ مند ہے؟ وہ ایمان ہے اور عمل صالح ہے۔

اسی لیے امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

تزوّدوا یرحمکم اللہ فقد نودی فیکم بالرحیل و خیر الزاد التقویٰ۔[74]

ترجمہ: "اسباب مہیا کرلو کہ اللہ تم پر رحم کرے اور کوچ کا نقارہ بج چکا ہے بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔"

عمل صالح کا معنی

تقویٰ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عمل صالح کا وسیع معنی ہے، عبادت ہے، جہاد ہے، حسن اخلاق ہے، خیر کا کام ہے، امر بالمعروف ہے، فقراء مساکین پر صدقہ دینا ہے، پریشان حال کی فریاد کو پہنچنا ہے، سوالیوں کی مدد کرنی ہے، انسانوں کی اقدار کا دفاع کرنا ہے، اُن کی آبروؤں کی حفاظت کرنی ہے سارے ہی عمل صالح ہیں اور یہ ایمان کے ساتھ ہیں اور قیامت کے دن یہی کام آئے گا۔ ایمان کے ساتھ عمل صالح!۔

---

[74] امیر المومنین علیہ السلام کا یہ کلام نہج البلاغۃ میں آیا ہے جس کا متن اس طرح ہے: تجهّزوا رحمکم الله فقد نودی فیکم بالرحیل وأَقِلُّوا العُرجَةَ علیٰ الدُنیا وانقلبوا بصالح مابحضرتکم من الزاد، فانّ أمامکم عَقَبَةً کَؤوداً و منازل مخوفَةً مهولةً لا بد من الورود علیها والوقوف عندها، واعلموا أن مَلاحِظَ المنیّة نحوَکم دانیة و کأنّکم بمخالبها، وقد نَشَبَت فیکم و قد دَهَمَتکُم فیها مُفظِعاتُ الأمور و مُعضلات المحذور، فاقطعوا علائق الدنیا واستظهروا بزاد التقوی'' (نهج البلاغة، خطبہ: ۲۰۴)

شفاعت کا دروازہ

یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نجات کا ایک دروازہ رکھا ہوا ہے وہ دروازہ شفاعت کا ہے، انبیاء شفاعت کریں گے، آئمہ کریں گے، اولیاء کریں گے، شہداء شفاعت کریں گے؛ باوجودیکہ ہم میں سے کوئی ایک بھی ہے اس کے پاس اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ اُس کو شفاعت ملے گی مگر یہ کہ ایک اُمید کا دروازہ کھلا ہوا ہے ۔ شفاعت کے حوالے سے جو کچھ روایات اور آیات میں ہے وہ طے ہے شہداء کے لیے ثابت ہے کہ وہ شفاعت کریں گے اور اس کی کریں گے جو اس کے اہل ہوں گے، جو ان کے گھر والے ہوں گے ان کے رشتہ دار ہوں گے، انبیاء کے لیے شفاعت ہے، معصومین کے لیے ہے، بعض اولیاء و صالحین کے لیے ہے اور بعض گروہ بھی ہیں جن کے لیے شفاعت ہے لیکن وہ جن کو اللہ پسند کرے گا روایات[75]

---

[75] قیامت کے دن شفاعت روایات کے مطابق چند گروہوں کے لیے یا افراد کے لیے ہے:

نبی اکرم ﷺ، روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''أعطيتُ خمساً لم يُعطها أحد قبلي، جُعلت لي الأرض مسجداً و طهوراً، و أُحلّ لي المغنم، و نُصرت بالرعب، و أُعطيت جوامع الكلم، و أُعطيت الشفاعة'' ترجمہ: ''مجھے پانچ چیزیں دی ہیں کہ یہ پانچ چیزیں مجھ سے پہلے کسی اور کو نہیں دیں، ایک تو یہ ہے کہ میرے لیے زمین کو سجدہ کی جگہ اور پاک کرنے کا قرار دیا ہے، میرے لیے مال غنیمت قرار دیا ہے، مجھے رعب اور دبدبہ سے مدد کی گئی ہے، مجھے جوامع اور کلم دیے گئے ہیں مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

نبی پاک ﷺ سے ہے کہ آپ نے فرمایا: ''لي فضل على النبيين، فما من نبي الا دعا على قومه بدعوة، و أنا أخّرت دعوتي لأمتي لأشفع لهم يوم القيامة'' ترجمہ: ''میرا فضل ہے سارے نبیوں پر کوئی بھی نبی نہیں ہے مگر یہ کہ اس نے اپنی قوم کے خلاف بددُعا دی، اور اپنی قوم کے خلاف دعا دی۔ میں نے اپنی دعا مؤخر کی اور اپنی اُمت کے لیے (یعنی اُن کے لیے عذاب کی دُعا نہیں کی) تاکہ اُن کے لیے قیامت کے دن میں شفاعت کروں۔'' اور حدیث ہے: ''اذا قمت المقام المحمود تشفّعت في أصحاب الكبائر من أمّتي فيشفّعني الله فيهم'' ترجمہ: ''جب میں مقام محمود پر ٹھہرا ہوں گا تو جنہوں نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں

وہ میری اُمت سے ہیں اُن کے لیے میں شفاعت کروں گا اور اللہ میری شفاعت ان کے بارے میں قبول کرے گا۔" اس کے علاوہ بھی بہت ساری روایات شفاعت کے متعلق موجود ہیں۔

1. آئمہ معصومین اور باقی انبیاء علیہم السلام بھی شفاعت کریں گے۔ ابو عبد اللہ الصادق علیہ السلام سے ہے کہ: "لا يشفع أحد من أنبياء الله و رسله يوم القيامة حتى يأذن الله تعالیٰ له الا رسول اللهﷺ، فان الله قد أذن له في الشفاعة من قبل يوم القيامة، فالشفاعة له ولأئمة من ولده عليهم السلام، ثم بعد ذلك لأنبياء صلوات الله عليهم أجمعين" ترجمہ: "کوئی بھی اللہ کے انبیاء اور اللہ کے رسولوں سے شفاعت کسی کی نہیں کرے گا قیامت کے دن، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اجازت دے مگر رسول اللہﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو قیامت کے آنے سے پہلے ہی شفاعت کی اجازت دے رکھی ہے۔ پس شفاعت نبی اکرمؐ کے لیے اور ان کے بعد ان کی اولاد سے جو آئمہ علیہم السلام ہیں ان کے لیے ہے اور پھر شفاعت انبیاء صلوات اللہ علیہم کے لیے ہے۔"

امام باقر علیہ السلام نے یہ کہا ہے کہ: "والله لنشفعن في المذنبين من شيعتنا" ترجمہ: "ہمارے شیعوں میں سے جو گناہگار ہیں ان کی ہم ضرور شفاعت کریں گے۔"

2. مومنین کے گروہوں میں سے کچھ ہوں گے جو شفاعت کریں گے (ان میں سے علماء اور شہداء ہیں)، نبی پاکﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "من أعان طالب العلم فقد أحب الأنبياء وكان معهم، ومن أبغض طالب العلم فقد أبغض الأنبياء، فجزاؤه جهنم، و ان لطالب العلم شفاعة كشفاعة الأنبياء" ترجمہ: "جو طالب علم کی مدد کرے گا تو گویا کہ اُس نے انبیاء سے محبت کی ہے اور وہ انبیاء کے ساتھ ہو گا اور جو طالب علم سے دُشمنی کرے گا تو اُس نے انبیاء سے دُشمنی کی اور اس کی سزا جہنم ہے اور طالب علم کے لیے اُسی طرح شفاعت ہے جس طرح انبیاء کے لیے ہے۔" امام صادق علیہ السلام سے ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "یا فضل، لا تزهدوا في فقراء شيعتنا، فان الفقير مهم ليشفع يوم القيامة في مثل ربيعة و مضر" ترجمہ: "اے فضل! ہمارے جو فقراء شیعہ ہیں اُن سے دُوری مت اختیار کرو کیونکہ ایک فقیر اور محتاج شیعوں میں سے قیامت کے دن اتنی تعداد میں شفاعت کرے گا جیسے ربیع اور مضر قبیلے کی تعداد ہے۔" عیاشی میں عبید بن زرارة سے ہے کہ انہوں نے ابو عبد اللہ علیہ

میں آیا ہے۔ یہ وہ ہیں کہ جو اپنے مقام اور اپنے مرتبہ اور شان کے حوالے سے شفاعت کریں گے، اللہ کے ہاں ان کا مقام ہے، ان کی شان ہے وہ اللہ کے قریب ہیں، اللہ کریم ہے جواد ہے، لطیف ہے وہ اپنے کرم سے ان کی شفاعت کو قبول کرے گا۔

احتساب کے بعد شفاعت

اس سے ایک گروہ جو ان کا محشر میں حشر ہو چکا ہو گا حساب ہو چکا ہو گا، عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہو گا کیونکہ وہ جو آخرت والا نظام ہے وہ مختلف ہے عالم آخرت کا، تو وہاں کے اپنے قوانین ہیں، انبیاء و شہداء کے لیے بھی الگ ضوابط ہیں تو شفاعت

السلام سے مومن کے بارے پوچھا گیا کہ کیا اسے حق شفاعت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''ان لرسول الله ﷺ الشفاعة فی أمته، ولنا الشفاعة فی شیعتنا، ولشیعتنا الشفاعة فی أهالیهم'' ترجمہ: ''رسول پاک ﷺ کے لیے اپنی اُمت کے لیے شفاعت ہے اور ہماری شفاعت ہمارے شیعوں کے لیے اور ہمارے شیعوں کی شفاعت ہے اُن کے گھر والوں کے لیے۔''

3. قرآن کریم بھی شفاعت کرے گا امام صادق علیہ السلام سے ہے کہ انہوں نے کہا: ''من قرأ القرآن وهو شاب مؤمن اختلط القرآن بلحمه و دمه، وجعله الله عزوجل مع السفرة الکرام، وکان القرآن حجیزًا عنه یوم القیامة'' ترجمہ: ''جو قرآن پڑھے جبکہ وہ جوان تھا قرآن اس کے گوشت اور خون میں رچ بس گیا تو اللہ تعالیٰ اُسے عزت والے سفراء سے قرار دے گا اور قرآن اُس کے لیے قیامت کے دن حاجت بنے گا یعنی اسے آتش جہنم میں نہیں جانے دے گا۔''

یہ روایات جو شفاعت کے بارے میں ہے معالم الزلفی الجملة الرابعة، الابواب الثالث والعشرون الی التاسع والعشرون؛ اس کتاب میں یہ ساری روایات اکٹھی موجود ہیں۔

معین ہے اللہ ہی جانتا ہے شفاعت کن کی ہو گی اور کن کے لیے ہو گی لیکن سارے لوگوں کو شفاعت نہیں ملے گی۔

اللہ کی رحمت کا دروازہ

ایک اور نجات کے لیے راستہ ہے وہ اللہ کی رحمت کا دروازہ ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ رحیم ہے، عطوف ہے اس کی رحمت اس کے غضب سے وسیع تر ہے، وہ کبھی اُن کو بھی معاف کر دے گا جن کو آتش جہنم میں داخل کیا گیا ہے، ان کو بھی معاف کر دے گا جنہوں نے نافرمانی کی ہے، شرک کیا ہے اور اللہ کے وجود کا انکار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی رحمت پھیلی ہوئی ہو گی اُس کی وسعت ہو گی کہ جس کو نا ہم خیالوں میں لا سکتے ہیں اور یہ اللہ کے اپنے ہاتھ میں ہے اور اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

اللہ کی رحمت کی بشارت

بعض روایات میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی رحمت کی بشارت دے گا اور اُس کے لیے ابلیس بھی اپنی گردن اُوپر کرے گا، کہ اس کا جہنم کے علاوہ ٹھکانہ بھی نہیں ہے وہ بھی اپنی گردن اوپر اٹھائے گا کہ اللہ کی رحمت میں وہ بھی شامل ہو جائے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ رحمان ورحیم مطلق ہے۔

شفاعت و رحمت کے دروازے

شفاعت کے دروازے، رحمت کے دروازے کھلے ہیں لیکن اس میں کوئی ضمانت تو نہیں ہے کہ وہ ہمیں شامل ہو گی لہٰذا جو چیز ضمانت ہے وہ ایمان اور عمل صالح ہے، فقط یہی ضمانت ہے کہ انسان کا عمل صالح اور ایمان ہو۔ جو بھی نیکی ہم آگے بھیجیں گے تو اس کو پائیں گے ہمارا عمل صالح وہاں ہم سے پہلے پہنچا ہو گا۔ ہم

سے جو اچھا کام، اچھا عمل، جو خیرات کی گئی ہے وہ ہم سے پہلے قبل اس کے کہ ہم دُنیا سے جائیں وہ وہاں پہنچ جائے گا؛ یہ ہمارے لیے حقیقی ضمانت ہے۔

صراط اور صراط کا نتیجہ

جو مراحل بیان ہوئے وہ جب حتمی ہو جائے گا کہ جنت والے جنت کی جانب جائیں گے اور اُن کو ایسے لے جایا جائے گا جیسے دُلہن اپنے دولہا کے گھر جاتی ہے اور جہنمیوں کو جہنم کی جانب لے جایا جائے گا اور ان کو کھینچ کر لے جایا جائے گا، اُن کی پیشانی کی چوٹیوں سے پکڑا ہو گا، پاؤں سے پکڑا ہو گا یہ ساری تفصیلات قرآن کریم میں، احادیث میں موجود ہیں اور مثلاً سورۂ زمر میں آپ اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

صراط سے گزرنا

جنت میں جانے کے لیے صراط سے گزرنا ہے اور یہاں پر وہ مسئلہ حقیقت اور مجاز کا جو ہم نے بیان کیا ہے کیا وہ ایک مادی پل ہے جیسے دُنیا میں ہوتا ہے جس پر لوگ چل کر جاتے ہیں؟ کہ اس پل سے گزر کر جنت والے جنت میں جائیں گے اور جہنم والے جہنم میں جائیں گے؟ یا اس سے مراد وہ دین ہے وہ راستہ ہے انسان کو لے جانے کا، اللہ نے جو راستہ بنایا ہے وہ صراط مستقیم ہے جس پر ہم نے چلنا ہے جس کی ہم نے پیروی کرنی ہے اور اس پر چل کر اور پیروی کر کے جنت جانا ہے۔ دوسری عبارت کے حوالے سے کہ یہ لفظ صراط جو استعمال ہوا ہے یہ حقیقی معنی میں ہوا ہے یا مجازی میں؟ یہاں پر علماء و مفسرین نے یہاں پر اختلاف کیا ہے، کچھ تو وہ ہیں جو پہلی رائے پر ہیں، بعض وہ ہیں جو دوسری رائے رکھتے ہیں۔ یہاں ایک سوال ہے اس کو ہم چھوڑتے ہیں یہ کوئی مہم نہیں ہے اور نہ اس پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ انسان کا اختتام اور انجام دیکھنا ہے۔

کامیاب و ناکام

جو لوگ جنت میں داخل ہو گئے تو وہ کامیاب ہوئے وہاں ہمیشہ رہنا ہے، جو جہنم میں گئے اُن میں تقسیم ہے۔ کچھ وہ ہیں جو ہمیشہ رہیں گے اور کچھ وہ ہیں جو بعد میں وہاں سے نکل آئیں گے۔ یا تو اس وجہ سے کہ اُن کا عمل جو نیک بھی تھا اور برا بھی تھا یا اللہ کی رحمت اُن میں شامل ہو جائے گی یا شفاعت کرنے والوں میں سے کسی کی شفاعت انہیں مل جائے گی اس طرح اُن کے لیے معافی کا فیصلہ ہو جائے گا اور وہ آتش جہنم سے جنت کی طرف آجائیں گے۔ اس میں تفصیلات ہیں ہم یہاں اُن کو بیان نہیں کرتے۔ جو چیز ضروری ہے اور بحث ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس کی تفصیل پر ہم نہ جائیں، اگر ہم میں سے کسی کا نیک عمل برائی سے ملا ہوا ہے اور ایک عرصہ جہنم میں گیا ہے پھر وہاں سے نکلا ہے تو یہ ذہن میں رہے کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی تھوڑی دیر کے لیے بھی جہنم کے بھڑکتے شعلوں کی گرمائش کو برداشت نہیں کر سکتا اور اُس کی جو وہاں سے چیخ اور چنگھاڑ نکلے گی اور جو شور شرابہ ہو گا اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

یہاں پر قیامت کا منظر ختم ہوا!

تحقیق کے مطلوبہ مقصد کیلئے بحث

یہ جو ساری بحث ہوئی ہے اس میں مقصد یہ ہے کہ غافلوں کو جگایا جائے اور جو بہت بھاری ذمہ داریاں ہیں ہم میں سے ہر ایک کی گردن پر اُس کی طرف توجہ ہو کیونکہ ہم میں سے ہر ایک چل رہا ہے، ایک ہدف رکھتا ہے اور جس کی تفصیل ہم بیان کر آئے اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس نے واقع ہونا ہے اور ضرور آنا ہے اور قرآن نے اور حدیث میں اس کے بارے میں وضاحت کر دی گئی ہے اور جب یہ

سب واقع ہو جائے گا تو اس وقت پشیمانی فائدہ نہیں دے گی، توبہ بھی فائدہ نہیں دے گی اور انسان کا وہاں حسرت کرنا، افسوس کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا، نافرمان اور گناہگار اپنے گناہوں کا اعتراف کرلے گا تو بھی اس کو فائدہ نہیں ہوگا وہ دردناک عذاب سے روک رکھے گا اور اطاعت کرنے والا اپنی کوتاہی کو دیکھے گا کہ نیکی کرنے کا کتنا بڑا فائدہ تھا اور اس کو وہ نہیں مل رہا کیونکہ اس نے نیکی کم کی ہے۔ تو ضروری ہے کہ یہ ساری چیزیں ہم نظروں کے سامنے رکھیں اور ہم اللہ کے عبد ہونے کا جو مقام ہے اس کو حاصل کریں۔

عبودیت کے کتنے مقامات ہیں، تاجروں والی عبادت ہے، غلاموں والی عبادت ہے یا آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔ معلوم ہے کہ اللہ کے ہاں اُن مراتب میں جو بلند ترین مرتبہ ہے اس کو پہنچنے کی کوشش ہونی چاہیے اور سب سے بڑا مرتبہ مخصوص ہے انبیا اور عرفاء کے لیے جو بڑے مقامات پر پہنچے ہوئے لوگ ہیں اور اس میں بھی کوئی پیچیدگی نہیں ہونی چاہیے اور لوگوں کی مشقت اس پر ہے کہ کتنا وہ کر سکتا ہے صحیح ترین قول یہ ہے کہ اللہ کے عبد ہونے کا جو معنی ہے اُس کو اپنے اندر لے آئیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے جو اوامر ہیں ان کی پابندی کریں اور جو نواہی ہیں اُن سے رُک جائیں۔ اللہ تعالیٰ یہ سب قبول کرلے گا چاہے وہ فائدہ جنت لینے کے لیے ہو، ثواب کے فائدے کے لیے ہو یا غلاموں والی عبادت ہو۔ بات یہ ہے کہ عبادت ہو، وہ عبد بنے۔

ہر انسان کا ہدف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ [76]

ترجمہ: "جسے جہنم سے روک دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ وہی کامیاب ہے"

تو یہی وہ لائق بہترین ہدف اور مقصد ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کوشش کرے کہ وہ اس مقام کو پالے۔ میرا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ میں آتش جہنم سے دُور رہوں اور جنت میں بھیجا جاؤں، قیامت کے دن امن میں رہوں جو بڑے خوف کی جگہ ہو گی، اس میں پریشانی کی جگہ ہو گی، میں مطمئن رہوں اور مجھے اللہ کی رحمت اپنے گھیرے میں لے لے اور اللہ کے سامنے میں رُسواء نہ ہوں، فرشتوں اور انبیاء اور سارے انسانوں کے سامنے۔ وہاں مجھے شرف ملے، کرامت ملے، نعمت ملے، سلامتی ملے، عافیت ملے اور میں عذاب سے بچ جاؤں، ایسا عذاب جس کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ہمارا ہدف ہے اور اسی پر ہم نے آگے جانا ہے اور یہی ہم سے اللہ تعالیٰ نے مانگا ہے۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ [77]۔ ترجمہ: "اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آتش جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔"

---

[76] سورۂ آل عمران، آیت: ۱۸۵۔

[77] سورۂ التحریم، آیت: ۶۔

یہ ہدف ہماری نظروں کے سامنے ہو، ہم پر واجب ہے کہ عملی منصوبہ بندی کریں، ہمارے پاس عملی پروگرام ہوں اور چند اقدام جو ہمیں کرنے ہیں چند چیزیں ہم یہاں پر آپ کو بتاتے ہیں:۔

اول: آخرت کو یاد رکھیں آخرت کو نہ بھولیں، ہر وقت آخرت کو یاد رکھیں، برزخ کو یاد رکھیں، قیامت میں جو واقعات ہونے ہیں اور جو نتائج ہیں جنت ہے، جہنم ہے اس کو ہر وقت یاد رکھیں۔ موسمی طور پر اور وقتی طور پر نہ ہو کہ بعض مناسبات میں ہم یاد کریں جیسے شب ہائے قدر ہے یا کسی کی موت واقع ہوئی ہے بلکہ ہر گھڑی، ہر آن ہمیں یاد رکھنا چاہیے۔ موت ہو اچانک آتی ہے اور قیامت نے بھی اچانک آنا ہے ہمیں اس کا علم نہیں ہے پس موت ہر وقت یاد ہو، ہر وقت اُس کو یاد کریں آخرت بھی ہر وقت یاد ہو۔ یہ پہلا قدم ہے اور یہی ہماری زندگی میں حرکت میں ہمیں رکھے اور ہمارے جو لمحات و گھڑیاں ہیں اور جو دن ہیں اُن کو ہم وزن دیں ان کی قیمت کا ہمیں معلوم ہونا چاہیے ان کو اہمیت دیں کسی طرح ضائع نہ کریں اور ایسے نہ کریں کہ جو ہمیں آخرت سے علیحدہ کر دے اور اس کی وجہ سے ہمارے درمیان اس کا فاصلہ ہو جائے۔

دوم: آخرت سے چوکنے رہیں اور وہ یہ آیت جس کی طرف شروع میں اشارہ ہوا ہے کہ آخرت سے ہم ڈریں، آخرت کی یاد سے پریشان ہوں اور اُس کا ذکر خالی نہ ہو بلکہ ہمارے اندر اُس کو یاد کر کے ہمارے اندر خوف کی لہر دوڑ جائیں اور اس کی وجہ سے احتیاط کریں اور اس کے جو مصائب و مشکلات اور سختیاں ہیں وہ سب ہماری نظروں کے سامنے ہوں۔

آخرت کیلئے کام

سوم: آخرت کے لیے کام کریں۔ جو بھی ہماری زندگی دُنیا کی ہے اُس کو اپنا ہدف بناتا ہے اور اُس دُنیا کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے کوشاں ہوتا ہے، اُس کے لیے منصوبہ بندی کرتا ہے اور پھر اس منصوبے پر عمل پیرا ہوتا ہے، رات کو جاگتا ہے، دن کو محنت کرتا ہے ۔ کیاآخرت کی زندگی کے لیے عمل نہیں کرنا چاہیے؟اس کو بہتر بنانے کے لیے کوشش نہیں ہونی چاہیے؟ اپنے رب سے گناہوں کی معافی نہیں مانگنی چاہیے؟ اپنے گناہ جو زمانے میں کیے ہیں اس لیے توبہ نہیں کریں؟ توبہ کرے اور جو چیزیں چھوٹ گئی ہیں ان کی قضاء کرے اور پھر جو نمازیں چھوٹی ہیں جو اطاعت چھوٹی ہیں ان کو انجام دے۔ جو اموال میں اس نے حق کسی کا دینا تھا وہ ادا کرے، سوالی کا حق دے، مرحومین کا حق دے، اپنے آپ کو غفلت سے جگائے، گناہوں میں نہ پڑے؛ یہ سارے امور ہیں۔

جوان نسل کیلئے

یہ جو ہم نے راہنمائی دی ہے یہ خاص کر جوان نسل کے لیے جو بھی عمر کے ابتدائی حصے میں ہیں اور زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور ابھی بڑھاپا ان میں نہیں آیا ہے تو اُن کو موقع ہے اور اس کے لیے کام کریں، جوانی کا جو موقع ہے اس کو ضائع نہ کریں، ہم سب پر یہ ہے کہ ہم نیک اعمال بجالائیں، اپنے وجود کی نعمت جو ہمیں ملی ہوئی ہے اس دُنیا میں اس سے فائدہ اُٹھائیں، اور جو وقت ہمارے پاس ہے، ہمیں جو صحت و عافیت ملی ہوئی ہے اور جو کچھ ہم مال رکھتے ہیں، ہم میں طاقت ہے، وقت ہے، ہماری زندگی سے جو کچھ وقت بچا ہوا ہے اس کو ہم اپنی آخرت سنوارنے کے لیے استعمال کریں، پچاس سال کا انتظار نہ کریں نہ سو سال کا۔ وہاں جا کر کروڑوں

سال، لاکھوں سال یا اس سے بھی زیادہ رہنا ہے، وہ دارالخلود ہے اللہ ہی جانتا ہے ہمیں وہاں کتنا رہنا ہے۔ تو یہ عملی پروگرام ہے کہ دُنیا سے تعلق نہ ہو، مال، عہدہ، خواہشات، اس کے گرداب میں نہ پھنسیں بلکہ ہماری آنکھیں بیدار رہیں حرام کی طرف نظر نہ کریں، اپنی خواہشات کو غلط طریقے سے پورا نہ کریں۔ کتنے نافرمان ہیں جنہوں نے اپنی شہوت کی وجہ سے دُنیاوی لذت اور مزہ لینے کی وجہ سے اُس نے اپنے آپ کو برائی کے سپرد کر دیا اور گناہ کر بیٹھا تو ہمیں یہاں پر یہ سوچنا چاہیے کہ انسان کا تعلق دُنیا سے کٹ جائے گا، دُنیا آخرت کا کھیت ہے ہم میں سے ہر ایک بیوی ہے، اولاد ہے، مالی مفادات ہیں، دُنیاوی مفادات ہیں یہ سارا تعلق مطلوب اور مقصود ہو لیکن یہ تعلق اس طرح نہ ہو کہ انسان سے آخرت میں اس بارے پوچھا جائے۔ مال اولاد یا جہاد کا میدان اس سے کیوں پیچھے رہ گیا ہے؟ دُنیا کو چھوڑا دل آخرت سے لگایا، دُنیا سے فائدہ اُٹھائے دُنیا میں رہے جیسے کہ صالحین رہتے رہے۔ اس کی نگاہ اور نظر آخرت پر ہوتی ہے؛ یہ وہ معنی ہے کہ امام الحسین علیہ السلام نے جو سفر کیا یہ وہ کربلائی ہیں جو آپ کے ساتھ تھے۔

واقعہ کربلاء اُخروی سعی و کوشش کا معیار ہے

جو کچھ بیان گزر چکا ہے ہم کہتے ہیں کہ بعض انسان کامیاب ہو جائیں گے جو ہم نے آتش جہنم سے نجات پانے کے لیے کوشش کا کہا ہے اور جنت میں جانے کی کامیابی کے لیے۔ کچھ ہیں جو ایک مقام پر پہنچیں گے اور اپنی کوشش میں کامیاب ہوں گے اور وہ سبب ہوں گے کہ دوسروں کو بھی نجات دیں لیکن ان کی یہ سعی ایک بلند سطح کی ہو گی اور اس سے بھی بلند یہ ہے کہ انسان کوشش کرے اور پوری زمین والوں کی نجات کے لیے راستہ بن جائے؛ یہ انبیاء کا کام تھا آئمہ کا کام تھا اور یہی کام امام حسین علیہ السلام کا تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے کربلاء میں اپنے انقلاب،

اپنی شہادت اور اپنے پیاروں کی شہادت کے ذریعہ یہ چاہا کہ لوگ آتش جہنم کے راستے سے دُور ہو جائیں اور اُن کے لیے جنت کا دروازہ کھلے قیامت کے دن تک، یعنی قیامت کی گھڑی تک اس کے لیے جنت کا دروازہ کھلا ہو۔ (کربلاء کا دروازہ جنت کا دروازہ ہے جو کھلا ہوا ہے!)

حق و باطل واضح ہے

یہ واقعہ ہے کربلاء کا، ہم ایسی جگہ پر نہیں ہیں کہ حق و باطل سے ناواقف ہوں بلکہ حق واضح اور روشن ہے اور باطل بھی وہاں پر روشن ہے۔ جو بھی اُس زمانے کے مسلمان تھے وہ جانتے تھے کہ حسینؑ کون ہے؟ اور یزید (ملعون) کون ہے؟ حسین علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے نواسے تھے اور اُمت میں اُن کا ایک مقام، قدر اور بڑی شان تھی اور کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ان کو نہیں جانتا۔

کربلاء کا معرکہ

حق واضح ہے باطل بھی واضح ہے۔ کربلاء کا معرکہ بھی واضح ہے، اہداف بھی واضح ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ بنتا ہے کہ کچھ لوگ اپنی دُنیا پر حریص تھے، دُنیا سے ان کا لگاؤ تھا اور اپنے اموال کے اجڑنے کا انہیں ڈر تھا، اولاد کے مارے جانے کا ڈر تھا، اپنے گھروں کے اُجڑنے کا ڈر تھا، اپنی فناء ہونے والی دُنیا، کا ڈر تھا تو اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو چھوڑ دیا، چھوڑا نہیں بلکہ بے دردی سے قتل کیا۔ بعض رئے کی گورنری کے لیے، کوفہ کی گورنری کے لیے یا بصرہ کی گورنری کے لیے مولا حسین علیہ السلام سے بے وفائی کر گئے انہیں قتل کر دیا شہید کر دیا، آخرت بھی دے بیٹھے بلکہ اللہ نے اُنہیں دُنیا کی نعمات سے بھی محروم کر دیا۔ اُن کے مقابلے میں کچھ وہ تھے اگرچہ ان کی تعداد تو تھوڑی تھی لیکن اُنھوں نے اللہ کی معرفت حاصل کی اور

ان کو اس بات کا ڈر تھا کہ جب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ جیسے حبیب ابن مظاہر جو ایک بوڑھا شخص تھا اور کس طرح میدان میں اُترے، زہیر ابن قین، عباسؑ ابن علیؑ، قاسمؑ، اور ان کے علاوہ جو عورتیں اور مرد تھے کربلاء میں تو اُنھوں نے اپنے لیے یہ حساب لگایا کہ وہ قیامت کے میدان میں ہوں گے، اللہ کے سامنے ہوں گے اور اللہ اُن سے پوچھے گا حسین علیہ السلام کا خروج جو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کا فرزند تھا، جو اپنے دین کے راستے میں تھا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر رہا تھا، اور پوچھا جائے گا کہ آپ پر اُن کی نصرت واجب تھی؛ وہ کی یا نہیں کی؟ کیا ہم نے اُن کی مدد کی یا نہیں؟ تو ہمارا جواب: جی ہاں یا رب! ہم اُسی کے ساتھ کھڑے ہوئے، انہیں کی ساتھ رہے اسی کے ساتھ ثابت قدم رہے، پیاسے رہے ان کے ساتھ، اُن کے ساتھ مل کر اُن کے دشمن سے جنگ کی، اُن کے سامنے قتل ہوئے اور اُن کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے یہاں تک کہ ہم قیامت کے دن محشور ہوں گے اور ہمارے چہرے چمکتے دمکتے ہوں گے، وہ دن جب کچھ کے چہرے چمک رہے ہوں گے نورانی ہوں گے، کچھ کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ یہ ہے کربلاء کا واقعہ اپنی گہرائی کے اعتبار سے اور حقیقت کے اعتبار سے۔

السلام علیك یا سیدی و مولای یا أبا عبد الله الحسین، یا ابن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، وعلى الأرواح التی حلّت بفنائك علیكم منی جمیعاً سلام الله أبدًا ما بقیت و بقی اللیل والنهار، ولا جعله الله آخر العهد منّا لزیارتكم، السلام على الحسین، وعلى علی بن الحسین، وعلى أولاد الحسین، وعلى أصحاب الحسین۔

والحمد لله رب العالمین۔

اختتام ترجمہ: 10 اکتوبر 2024ء

رات دس بج کر 38 منٹ

پکی شاہ مردان، ضلع میانوالی، پاکستان

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی مظلومیت کے وسیلہ سے میری اس سعی کو قبول فرمائے اور اس سے مومنین کو فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے اور میری آخرت کا ذخیرہ قرار دے اور میری اس تحریر میں جو مطالب مزاحمتی تحریکوں کے سید و سردار شہیدِ راہِ حق سید حسن نصر اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیے؛ ان سے بھرپور استفادہ کی توفیق دے اور اس کا اجر و ثواب اس عظیم شہید کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے اور ہمیں ان کی شفاعت نصیب کرے۔

اختتام نظر ثانی:

۱۶ جنوری ۲۰۲۵ء بمطابق ۱۵ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ ق

بوقت دن ۱۱ بج کر ۴۵ منٹ

بمقام: جامعہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

پکی شاہ مردان، ضلع میانوالی، پاکستان